

# سوال و تمہارے جواب تمہارے

اہل سنت کی شیخو علم کے بین الاقوامی مکتب  
مسائل و تحقیق

تالیف

آیت اللہ العظمیٰ آقائی مکرم شیرازی

قم المقدسہ ایوان



# سوال و جواب حوالہ شمارے

اہل سنت اور شیعہ حضرات کے مابین دس اہم موضوعات  
مقابلہ تحقیق

مؤلف

آیت اللہ العظمیٰ آقای مکارم شیرازی  
قم المقدسہ ایران

معارف اسلام پبلشرز قم ایران

جملہ حقوق طبع بحق معارف اسلام پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب	سوال تمہارے جواب ہمارے
مؤلف	آیت اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی
مترجم	معارف اسلام پبلشرز
ناشر	انتشارات نورمطاف
اشاعت	پہلی
تاریخ اشاعت	ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ - ق
تعداد	۵۰۰۰
ہدیہ	۴۵ روپے

معارف اسلام پبلشرز قم ایران

# فہرست مطالب

[jabir.abbas@yahoo.com](mailto:jabir.abbas@yahoo.com)

# فہرست مطالب

مقدمہ:

پہلی فصل:

قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے سزا ہے

۱۳ ..... عدم تحریف قرآن

۱۳ ..... فریقین کی دو کتابیں

۱۷ ..... فرقہ وارانہ دشمنی کی خاطر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا نہ کیا جائے

۱۹ ..... عدم تحریف پر عقلی اور نقلی دلیلیں:

۲۲ ..... اختتامیہ کلمات

دوسری فصل:

’تقیہ‘ قرآن و سنت کے آئینہ میں

۲۷ ..... ۱۔ تقیہ کیا ہے؟

۲۸ ..... ۲۔ تقیہ اور نفاق کا فرق

## چوتھی فصل: بزرگوں کی قبروں کا احترام

- ۷۹ ..... اجمالی خاکہ
- ۸۱ ..... زیارت قبول کی گزشتہ تاریخ
- ۸۲ ..... قبور کی زیارت کے سلسلہ میں شرک کا توہم:
- ۸۳ ..... کیا شفاعت طلب کرنا تو حیدی نظریات کے ساتھ سازگار ہے؟
- ۸۷ ..... اولیائے الہی کی شفاعت صرف ظاہری زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے!
- ۸۸ ..... ہم ان حضاد باتوں کو کیسے قبول کریں!
- ۸۹ ..... خواتین اور قبور کی زیارت
- ۹۰ ..... ”حذہ رحال“ فقط تین مساجد کے لیے جائز ہے؟
- ۹۲ ..... کیا قبور پر عمارت بنانا منوع ہے؟
- ۹۳ ..... وہابیت کے پانچوں شوافعی میراث کی نابودی
- ۹۵ ..... بہانے
- ۹۵ ..... ۱۔ قبروں کو مسجد نہیں بنانا چاہیئے
- ۹۷ ..... ۲۔ ایک اور بہانہ
- ۹۹ ..... بزرگان دین کی قبور کی زیارت کے مثبت آثار
- ۱۰۰ ..... ۳۔ حشرک چاہتا اور طلب کرنا منوع ہے
- ۱۰ ..... علمائے اسلام کی اہم ذمہ داری

- ۳۸ ..... ۳۔ تزیینت کے ترازو میں
- ۲۹ ..... ۴۔ تزیینت کتاب الہی میں
- ۳۲ ..... ۵۔ تزیینت اسلامی روایات میں
- ۳۲ ..... ۶۔ کیا تزیینت صرف کفار کے مقابلے میں ہے
- ۳۷ ..... ۷۔ حرام تزیینت
- ۳۸ ..... ۸۔ مصلحت آمیز تزیینت

## تیسری فصل: عدالت صحابہ

- ۴۳ ..... ۱۔ دو متضاد عقیدے
- ۴۳ ..... ۲۔ تنزیہ کے سلسلہ میں حدت پسندی:
- ۴۵ ..... ۳۔ لاجواب سوالات
- ۴۸ ..... ۴۔ صحابہ کون ہیں؟
- ۵۰ ..... ۵۔ ”عقیدہ تنزیہ“ کا اصلی سبب
- ۵۵ ..... ۶۔ کیا تمام اصحاب بغیر استثناء کے عادل تھے؟
- ۶۳ ..... ۷۔ اصحاب و پیغمبر کی اقسام
- ۶۵ ..... ۸۔ تاریخی گواہی
- ۶۹ ..... ۹۔ پیغمبر کے زمانے میں یا اس کے بعد بغض صحابہ پر حد کا جاری ہونا
- ۷۰ ..... ۱۰۔ با درست توجیہات
- ۷۲ ..... ۱۱۔ مظلومیت علی رضی اللہ عنہ
- ۷۴ ..... ۱۲۔ ایک دلچسپ داستان

## فہرست مطالب

۲۳۷

الف (الف) زمین پر بکھڑے حوالے سے معروف حدیث نبوی

۱۳۷

ب (ب) سیرت و غیرہ

۱۳۸

ج (ج) صحابہ اور تابعین و غیرہ کی سیرت

۱۳۹

## ساتویں فصل:

## جمع بین صلاتین

بیان مسئلہ

۱۴۰

اسلامی معاشروں میں پانچ اوقات پر اصرار کے آثار

۱۴۱

دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کے جواز پر روایات

۱۴۲

۱۔ مذکورہ احادیث کا نتیجہ

۱۴۳

۲۔ قرآن مجید اور نماز کے تین اوقات

۱۴۴

## آٹھویں فصل:

## وضو میں پاؤں کا مسح

قرآن مجید اور پاؤں کا مسح

۱۴۵

محبوب توجیہات

۱۴۶

نفس کے مقابلے میں اجتہاد اور تفسیر بالرائی

۱۴۷

جوہوں پر مسح کرنا

۱۴۸

پاؤں پر مسح اور احادیث اسلامی:

۱۴۹

مخالف روایات

۱۵۰

سہل اور آسان شریعت

۱۵۱

نعوذ باللہ من هذه الاكاذيب

۱۵۲

## پانچویں فصل:

## نکار موقت (متحدہ)

متحدہ یا از دو اوج موقت

۱۰۵

۱۔ ضرورت اور نیاز

۱۰۶

نکار مسیار

۱۰۷

متحدہ کیا ہے؟

۱۰۸

سودہ استفادہ

۱۱۲

نکار متحدہ قرآن و سنت اور اجماع کی روشنی میں

۱۱۳

کس نے متحدہ کو حرام کیا

۱۱۷

الف (الف) مسئلہ اول کے دور میں متحدہ کا محال ہونا

۱۱۸

ب (ب) اجتہاد و مقابلہ نفس

۱۱۸

ج (ج) حضرت عمر کی مخالفت کا سبب

۱۱۹

د (د) حد کی تحريم کے بعد لوگوں کا رد عمل

۱۲۱

بہترین راہ عمل

۱۲۵

## چھٹی فصل:

## زمین پر بکھڑے

۱۔ عبادات میں بکھڑے کی اہمیت

۱۳۱

۲۔ غیر خدا کے لیے بکھڑے کرنا جائز نہیں ہے

۱۳۲

۳۔ کس چیز پر بکھڑے کرنا چاہیے؟

۱۳۳

۴۔ مسئلہ کی اولیٰ

۱۳۷

- ۱۸۳ ..... جوتوں پر مس، عقل و شرع کے ترازو میں
- ۱۸۶ ..... روایات چند اقسام پر مشتمل ہیں:
- ۱۹۳ ..... بحث کا آخری نتیجہ:

نویں فصل:

بسم اللہ، سورۃ الحمد کا جز ہے

- ۱۹۷ ..... ایک تعجب آور نکتہ
- ۲۰۲ ..... بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں احادیث نبویؐ
- ۲۱۰ ..... مابین الدفتین قرآن ہے
- ۲۱۱ ..... بحث کا خلاصہ

دسویں فصل:

اولیائے الہی سے توسل

- ۲۱۷ ..... ”توسل“ قرآنی آیات اور عقل کے آئینہ میں:
- ۲۲۶ ..... توسل، احادیث کی روشنی میں
- ۲۳۳ ..... چند قابل توجہ نکات
- ۲۳۳ ..... ۱۔ وہابیوں کے بہانے
- ۲۳۶ ..... ۲۔ ”افراطی اور غالی افراد“
- ۲۳۷ ..... ۳۔ تنہا توسل کافی نہیں ہے
- ۲۳۸ ..... ۴۔ امور نگوینی میں توسل

فہمست منابع

حمد ہے اس ذات کے لیے جس نے انسان کو قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور درود و سلام ہو اس نبی پر جسے اس نے عالمین کے لیے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور سلام و رحمت ہو ان کی آل پر جنہیں اس نے پورے جہاں کے لیے چراغ ہدایت بنایا۔

اما بعد: آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب کے عظیم مصنف نے اس میں اسلام کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان پائے جانے والے دس اختلافی مسائل پر انتہائی مختصر، عام فہم اور منصفانہ بحث کی ہے۔

مصنف کی روش یہ ہے کہ ایک مسئلہ کو پیش کر کے اس پر طرفین کی ادلہ ذکر کرتے ہیں اور آخر میں نتیجہ قارئین محترم پر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ قارئین کرام خود فیصلہ کر سکیں کہ حق کس کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کتاب کے ترجمہ کی سعادت و توفیق بھی معارف اسلام پبلشرز کو عنایت فرمائی ہے اور اس خوبصورت ترجمہ کی زحمت فاضل برادر جناب آقای سید محسن علی کاظمی نے اٹھائی ہے۔ خدا انکی توفیقات میں اضافہ فرمائے، ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کے درمیان وحدت کا باعث بنے گی۔

# مقدمہ

## یہ راستہ وحدت کی طرف نہیں جاتا!

اس دنیا کے موجودہ حالات پر ایک اجمالی نگاہ دوڑانے سے پتہ چلتا ہے کہ شدید طوفان چل رہے ہیں، پردے ہٹ چکے ہیں، دُلفریب باتوں، انسانی حقوق کے دعوے، ڈیموکریسی اور اقوام متحدہ جیسے بین الاقوامی اداروں کے نعروں کی حیثیت واضح ہو چکی ہے۔ عالمی طاقتوں نے دوسرے ملکوں پر قبضہ کرنے کے لئے خطرناک سازشیں آمادہ کر رکھی ہیں اور وہ لگے لپٹے الفاظ میں اپنے دل کی باتوں کو بیان کر رہے ہیں۔

اور کتنا اچھا ہوا کہ انہوں نے ان تمام باتوں کا اظہار کر دیا ہے اور اپنے اوپر بے جا اعتماد کرنیوالوں کی آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا ہے۔ اور اب اللہ تعالیٰ کے لطف و عنایت کے بعد قوموں کی اپنی قدرت و طاقت کے علاوہ کوئی پناہ گاہ باقی نہیں رہی ہے۔ ہاں اپنے آپ کو طاقتور بنانا چاہیے کیونکہ دنیا کے اس نظام میں کمزور کو پایمال کیا جاتا ہے۔

ان شرائط میں اگر پوری دنیا کے مسلمان متحد ہو جائیں اور اپنی عظیم ثقافتی اور مادی طاقت کو استعمال کریں تو اسی صورت میں طاغوتی طاقتوں کے شر سے امان میں رہ سکتے ہیں۔ کئی سالوں سے ہر جگہ وحدت مسلمین کی باتیں زبانوں پر جاری ہیں۔ ہفتہ وحدت کی تشکیل، وحدت کے

سلسلہ میں کانفرنسوں اور سیمیناروں کے انعقاد کی خبروں کا چرچا ہے۔

اگرچہ ان اقدامات کے سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں اچھے آثار سامنے آئے ہیں اور دشمن خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ لیکن ابھی تک ان اقدامات سے ایسی وحدت وجود میں نہیں آئی جس کا لازماً ان عظیم طوفانوں کے مقابلے میں ڈٹ جانا اور مقاومت کرنا ہو۔

اس بات کے اسباب کو چند امور میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ اس سلسلہ میں کئے جانے والے اقدامات بنیادی نہیں تھے جس کی وجہ سے مسئلہ وحدت اسلامی، معاشروں کے عمق اور مسلمانوں کے افکار میں نفوذ نہیں کر سکا ہے تاکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک ہی راستے پر اکٹھا کرنا۔

۲۔ دشمنوں نے بدگمانی، سوءظن، اختلاف اور نفاق ایجاد کرنے کیلئے وسیع پیمانے پر کام کیا ہے۔ اور جسطرح خبروں سے اندازہ ہوتا ہے انہوں نے ان مسائل کو عملی بنانے کے لیے مادی اعتبار سے بھی بہت بھاری سرمایہ مختص کیا ہوا ہے اور اپنے شوم مقاصد کو پورا کرنے کے لئے دونوں طرف سے متعصب اور شدت پسند افراد کو استعمال کرتے ہیں۔ من جملہ:

الف) ہمیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حال ہی میں سعودی عرب کے متعصب سلفیوں نے ایک کروڑ تفرقہ انگیز کتابیں چھپوا کر حجاج کے درمیان تقسیم کی ہیں اور حج جو مسلمانوں کی وحدت کا ذریعہ تھا، کو نفاق کے وسیلہ میں تبدیل کر دیا ہے اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس قسم کے کام ہر سال کیے جاتے ہیں۔

ب) حج اور عمرہ کے ایام میں متعصب وہابی خطیب نفاق پیدا کرنے کے لیے زہر اٹکنے کا کام کرتے ہیں اور ایران و سعودی عرب کے اچھے تعلقات کے باوجود انہوں نے شیعوں کے

خلاف حملے اور زیادہ کر دیے ہیں۔

ج) سپاہ صحابہ کے حملے اور مظلوم و بے گناہ افراد کا وحشیانہ قتل، اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک اس قتل و غارت اور دہشت گردی پر فخر کرنا ہے جسے آئے دن تھوڑے تھوڑے وقتی انجام دیا جاتا ہے۔ یہ بات سب لوگوں پر عیاں ہے۔

د) طالبان جیسے انتہا پسند گروہوں کو اکسانا، شواہد کے مطابق یہ کام بھی امریکی ایجنسیوں کی طرف سے انجام پانے والا ایک خطرناک کام تھا تا کہ ایک طرف تو اسلام کے چہرے کو بدنما، بے رحم اور علم و دانش اور تہذیب و تمدن سے بے بہرہ ظاہر کریں اور دوسری طرف مسلمانوں کے درمیان تفریق کو زیادہ کریں۔ اگرچہ یہ مغربی سیاست کے سائے میں پلنے والا گروہ آخر کار اگلے کنٹرول سے خارج ہو گیا تھا اور خود ان ہی کے خلاف برسرِ پیکار ہو گیا تھا۔ اس طرح جب امریکہ کو اپنے نمک خواروں کے تلخ نتائج کا سامنا کرنا پڑا تو وہ انکے ختم کرنے کے درپے ہوا۔

۳۔ بعض اسلامی سیاستدانوں کی کوتاہ فکری بھی پائیدار وحدت کے اہداف کے حصول میں مانع ثابت ہوئی کیونکہ انہوں نے اپنے محدود اور وقتی منافع کو، عالم اسلام کے طولانی منافع پر مقدم کیا۔ مثال کے طور پر ہم بعض اسلامی ممالک کو جانتے ہیں کہ جنہوں نے اپنے محدود اور کم اہمیت منافع کی خاطر اسرائیل کے ساتھ بہت زیادہ سیاسی اور اقتصادی تعاون کیا، یہاں تک کہ اس کے ساتھ مشترکہ جنگی مشقیں کیں اور یہ بات آج سب پر آشکار ہو چکی ہے۔

بہر حال جو چیز علمائے اسلام کے اختیار میں ہے وہ یہ کہ ضمانت غلطیوں کے برے نتائج کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اور اس جانب متوجہ کرتے ہوئے کو کوئی ملک یا اسلامی گروہ، ان

اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں کی ظالمانہ اور بے رحم سیاست سے امان میں نہیں رہے گا، یہ کریں کہ جہاں تک ممکن ہو مذہبی مسائل کو شفاف بنائیں تاکہ دشمنوں کو زہرا گلے اور انتہا پسندو متعصب گروہوں کو سوہن پیدا کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

اس نکتہ کے پیش نظر ہم نے اس کتاب میں کہ جو قارئین محترم کے ہاتھ میں ہے، مسلمانوں کی حقوں کو تقویت پہنچانے کے لئے ایک جدید اور دلکش روش سے استفادہ کیا ہے۔ اس روش میں یہ مسئلہ مکمل طور پر روشن ہو جائیگا کہ کتب اہل بیتؑ کے پیروکاروں اور اہلسنت کے درمیان اہم اختلافی مسائل کی بنیاد خود انکی اپنی مشہور کتابیں ہیں اور ان مسائل میں شیعہ حضرات کے نظریات کی واضح اور روشن دلیلیں اہل سنت کی اپنی کتابوں میں موجود ہیں۔ اہلسنت کے ایک آزاد فکر عالم دین کے بقول ”شیعہ اپنے مذہب کے تمام اصول اور فروع کو ہماری کتب سے ثابت کر سکتے ہیں“۔

اگر یہ بات ثابت ہو جائے، کہ انشاء اللہ اس کتاب میں ثابت ہو جائیگی، تو پھر کتب اہلیت کے پیروکاروں کے عقائد کی نسبت کسی طرح کے تردید، مذمت یا شبہ ایجاد کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ بلکہ یہ بات یقیناً منطقی اور منصف مزاج افراد سے سوہن کو برطرف کرنے اور مسلمانوں کی حقوں میں اتحاد پیدا کرنے نیز حسن ظن رکھنے کا باعث بنے گی اور ایران جو ایک قدرتمند اسلامی ملک ہے اسی طرح اسلام کے مدافع کے اعتبار سے باقی رہے گا، اور اسی طرح تمام شیعہ یان جہان بھی۔ اب حضور والا! یہ آپ اور یہ ہماری دلیلیں!

## قرآن ہر قسم کی تحریف

سے منزہ ہے

## عدم تحریف قرآن:

شیعوں کے خلاف ہونے والے جھوٹے پروپیگنڈے کے برعکس ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ آج جو قرآن مجید ہمارے اور تمام مسلمانوں کے پاس ہے یہ بالکل وہی قرآن مجید ہے جو پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوا اور اس میں حتیٰ ایک لفظ کی بھی کمی و زیادتی نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کو اپنی تفسیر، اصول فقہ وغیرہ کی متعدد کتب میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور عقلی و نقلی ادلہ کے ذریعہ اسے ثابت کیا ہے۔

ہم قائل ہیں کہ تمام مسلمان علماء اہل از شیعہ و سنی کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا ہے اور دونوں مذاہب کے محققین کی اکثریت جو اتفاق کے قریب ہے اس بات کی قائل ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی بھی واقع نہیں ہوئی ہے۔

دونوں طرف کے چند گئے پختے افراد اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن مجید میں کمی واقع ہوئی ہے جبکہ مشہور علماء اسلام ان کی اس بات کے طرفدار نہیں ہیں۔

## فریقین کی دو کتابیں:

ان گنتی کے چند علماء میں سے ایک اہل سنت عالم دین "ابن الخطیب مصری" ہیں جنہوں نے "الفرقان فی تحریف القرآن" نامی کتاب لکھی جو ۱۹۳۸ عیسوی برطانیہ

۴۔ ہم نے بھی اپنی کتاب (انوار الاصول) میں عدم تحریف قرآن مجید کے بارے میں انتہائی مفصل بحث کی ہے اور فصل الخطاب کے شبہات کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

مرحوم حاجی نوری اگرچہ عالم دین تھے لیکن بقول علامہ بلاغی انہوں نے ضعیف روایات پر اعتماد کیا ہے اور مذکورہ کتاب شائع ہونے کے بعد خود بھی تادم و پشیمان ہوئے۔ اور حوزہ علیہ نجف اشرف کے تمام بزرگ علماء نے اس اقدام کو واضح طور پر ایک غلطی قرار دیا ہے۔ (۱)

اور دلچسپ بات یہ ہے کہ کتاب فصل الخطاب کے شائع ہونے کے بعد ہر طرف سے حاجی نوری کی مخالفت کا ایسا عظیم طوفان اٹھا کہ وہ خود اپنے دفاع میں ایک رسالہ لکھنے پر مجبور ہو گئے جس میں انہوں نے لکھا کہ میری مراد عدم تحریف قرآن مجید تھی لوگوں نے میری تعبیرات سے سوء استفادہ کیا ہے۔ (۲)

مرحوم علامہ سید حبیب الدین شہرستانی کہتے ہیں کہ میں اس وقت سامرا میں تھا اور میرزا شیرازی بزرگ نے اس وقت سامرا کو علم و دانش کا مرکز بنا دیا تھا۔ جس محفل میں بھی ہم جاتے ہر طرف سے حاجی نوری اور ان کی کتاب کے خلاف صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ اور بعض لوگ تو انتہائی نازیبا الفاظ کے ساتھ انکو یاد کرتے تھے (۳)

کیا اتنی مخالفت کے باوجود بھی حاجی نوری کی باتوں کو شیعہ عقیدہ شمار کرنا چاہیے؟ بعض

(۱۳۶۷ ہجری قمری) میں نشر ہوئی۔ لیکن بروقت الاذہر یونیورسٹی کے علماء اس کتاب کی طرف متوجہ ہو گئے اور انہوں نے اس کتاب کے نسخوں کو جمع کر کے ضائع کر دیا لیکن اس کے چند نسخے غیر قانونی طور پر آس پاس کے لوگوں تک پہنچ گئے۔

اسی طرح ایک کتاب (فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب) کے نام سے شیعہ محدث حاجی نوری کے توسط سے لکھی گئی جو ۱۲۹۱ ہجری قمری میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی حوزہ علیہ نجف اشرف کے بزرگ علماء نے اس کتاب کے مطالب سے اظہار برائت کیا اور اس کتاب کی جمع آوری کا حکم دیدیا۔ اور اس کے بعد کئی کتابیں اس کے رد میں لکھی گئیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

۱۔ نامور فقیہ مرحوم محمود بن ابی القاسم المعروف بہ معرب طبرانی (متوفی سال ۱۳۱۳ھ ق) نے (کشف الارباب فی عدم تحریف الكتاب) نامی کتاب لکھی جو کتاب فصل الخطاب کا رد تھا۔

۲۔ مرحوم علامہ سید محمد حسین شہرستانی (متوفی ۱۳۱۵ھ ق) نے بھی ایک کتاب بنام (حفظ الكتاب الشریف عن شبهة القول بالتحریف) حاجی نوری کی کتاب فصل الخطاب کے جواب میں لکھی۔

۳۔ مرحوم علامہ بلاغی (متوفی ۱۳۵۲ھ ق) حوزہ علیہ نجف کے عظیم محقق نے بھی اپنی مشہور کتاب (تفسیر آلاء الرحمن) میں ایک قابل ملاحظہ باب فصل الخطاب کے رد میں لکھا

ہے (۱)

(۱) آلاء الرحمن، جلد ۲، ص ۳۱۱۔

(۲) الذریعہ، جلد ۱، ص ۲۳۱۔

(۳) بہان روشن، ص ۱۳۳۔

متعصب وہابی اس کتاب (فصل الخطاب) کو بہانہ بنا کر تحریف قرآن کے نظریہ کو شیعوں کی طرف نسبت دیتے ہیں حالانکہ:

۱۔ ایک کتاب کی تالیف اس مسئلہ میں شیعہ عقیدہ پر دلیل بن سکتی ہے تو پھر اس تحریف قرآن والے نظریہ کو علمائے اہل سنت کی طرف بھی نسبت دینی چاہیے کیونکہ ابن الخطیب مصری نے بھی تو (الفرقان فی تفسیر القرآن) نامی کتاب لکھی تھی اور اگر جلد۱۵ الاذہر کے علماء کی تردید اس کتاب کے مطالب کی نفی پر دلیل بن سکتی ہے تو علمائے محض اشرف کا اظہار برائت بھی فصل الخطاب کے مفاہیم کی نفی پر دلیل بن سکتا ہے۔

۲۔ اہل سنت کی دو مشہور تفاسیر تفسیر قرطبی، اور تفسیر در المنثور میں حضرت عائشہ (زوجہ رسول) سے نقل کیا گیا ہے کہ:

(وَاللّٰہُ اَیُّ سُوْرَةِ الْاَحْزَابِ (۱۱) کَانَتْ ہَاتِیْ اَیَّۃِ قَلَمٍ

یَبْقٰی مِنْہَا الْاَثَلَاتُ وَ سَبْعِیْنَ) (۱)

سورۃ الاحزاب کی ۲۰۰ آیات حمیں اور اب ۷۳ سے زیادہ باقی نہیں بچی ہیں!

اس سے بڑھ کر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ایسی روایات نظر آتی ہیں جن سے تحریف کی

تو آتی ہے (۲)

لیکن ہم ہرگز کسی ایک مصنف یا چند ضعیف روایات کی وجہ سے تحریف والے قول کو اہل سنت کی طرف نسبت نہیں دیتے ہیں۔

اسی طرح انہیں بھی کسی ایک مصنف یا چند ضعیف روایات کی وجہ سے کہ بڑا جمہور علمائے

(۱) تفسیر قرطبی، جلد ۱۳ ص ۱۱۳ تفسیر الدر المنثور، جلد ۵ ص ۱۸۰۔

(۲) صحیح بخاری، جلد ۸ ص ۲۰۸ صحیح مسلم، جلد ۳ ص ۱۶۷ جلد ۵ ص ۱۱۶۔  
http://fb.com/ranajabirabbas

شیعہ نے انکار کیا ہے، اس قول تحریف کو شیعوں کی طرف نسبت نہیں دینی چاہیے۔

۳۔ حاجی نوری کی کتاب فصل الخطاب میں عام طور پر ان تین راویوں سے احادیث لی گئی ہیں کہ جو یا تو فاسد المذہب، یا کذاب اور جھوٹے یا بھول الحال ہیں۔ (احمد ابن محمد سیاری، فاسد المذہب، علی ابن احمد کوفی، کذاب، اور ابی الجارود بھول یا مردود) (۱)

فرقہ دارانہ دشمنی کی خاطر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا نہ کیا جائے۔

۴۔ جن لوگوں کا اصرار ہے کہ مذہب شیعہ کو تحریف قرآن کے عقیدہ سے متہم کیا جائے، گویا وہ اس بات کی طرف متوجہ نہیں ہیں کہ فرقہ دارانہ خصومت کی خاطر وہ اسلام کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ کیونکہ غیر مسلم لوگ کہیں گے کہ عدم تحریف کا عقیدہ مسلمانوں کے درمیان مسلم اور متفقہ عقیدہ نہیں ہے۔

کیونکہ ایک عظیم گروہ تحریف قرآن کا قائل ہے۔ ہم ان ہمایوں کو فصاحت کرتے ہیں کہ فرقہ داریت اور تعصب آمیز دشمنی کی خاطر قلب اسلام یعنی قرآن مجید کو نشانہ نہ بنائیں۔ آئیے اسلام اور قرآن پر دم کیجئے اور بے جا تحریف کی باتوں کو اچھال کر دشمن کو موقع فراہم نہ کیجئے۔

۵۔ شیعوں کے خلاف یہ تہمت اور انفراس قدر پھیل چکی ہے کہ ایک مرتبہ ہم عمرہ کی خاطر بیت اللہ مشرف ہوئے۔ سعودی عرب کے وزیر مذہبی امور سے ہماری ملاقات ہوئی اس نے ہمارا پر تپاک استقبال کیا۔ لیکن کہنے لگا تمہارا قرآن ہمارے قرآن سے مختلف ہے (سمعت ان لکم مصحفاً غیر مصحفنا)!!

(۱) ان تین راویوں کے مزید حالات کے لیے راجل نجاشی، فہرست فضلاء، جلد ۱ ص ۱۱۶ ص ۱۱۷ ص ۱۱۸ ص ۱۱۹ ص ۱۲۰ ص ۱۲۱ ص ۱۲۲ ص ۱۲۳ ص ۱۲۴ ص ۱۲۵ ص ۱۲۶ ص ۱۲۷ ص ۱۲۸ ص ۱۲۹ ص ۱۳۰ ص ۱۳۱ ص ۱۳۲ ص ۱۳۳ ص ۱۳۴ ص ۱۳۵ ص ۱۳۶ ص ۱۳۷ ص ۱۳۸ ص ۱۳۹ ص ۱۴۰ ص ۱۴۱ ص ۱۴۲ ص ۱۴۳ ص ۱۴۴ ص ۱۴۵ ص ۱۴۶ ص ۱۴۷ ص ۱۴۸ ص ۱۴۹ ص ۱۵۰ ص ۱۵۱ ص ۱۵۲ ص ۱۵۳ ص ۱۵۴ ص ۱۵۵ ص ۱۵۶ ص ۱۵۷ ص ۱۵۸ ص ۱۵۹ ص ۱۶۰ ص ۱۶۱ ص ۱۶۲ ص ۱۶۳ ص ۱۶۴ ص ۱۶۵ ص ۱۶۶ ص ۱۶۷ ص ۱۶۸ ص ۱۶۹ ص ۱۷۰ ص ۱۷۱ ص ۱۷۲ ص ۱۷۳ ص ۱۷۴ ص ۱۷۵ ص ۱۷۶ ص ۱۷۷ ص ۱۷۸ ص ۱۷۹ ص ۱۸۰ ص ۱۸۱ ص ۱۸۲ ص ۱۸۳ ص ۱۸۴ ص ۱۸۵ ص ۱۸۶ ص ۱۸۷ ص ۱۸۸ ص ۱۸۹ ص ۱۹۰ ص ۱۹۱ ص ۱۹۲ ص ۱۹۳ ص ۱۹۴ ص ۱۹۵ ص ۱۹۶ ص ۱۹۷ ص ۱۹۸ ص ۱۹۹ ص ۲۰۰ ص ۲۰۱ ص ۲۰۲ ص ۲۰۳ ص ۲۰۴ ص ۲۰۵ ص ۲۰۶ ص ۲۰۷ ص ۲۰۸ ص ۲۰۹ ص ۲۱۰ ص ۲۱۱ ص ۲۱۲ ص ۲۱۳ ص ۲۱۴ ص ۲۱۵ ص ۲۱۶ ص ۲۱۷ ص ۲۱۸ ص ۲۱۹ ص ۲۲۰ ص ۲۲۱ ص ۲۲۲ ص ۲۲۳ ص ۲۲۴ ص ۲۲۵ ص ۲۲۶ ص ۲۲۷ ص ۲۲۸ ص ۲۲۹ ص ۲۳۰ ص ۲۳۱ ص ۲۳۲ ص ۲۳۳ ص ۲۳۴ ص ۲۳۵ ص ۲۳۶ ص ۲۳۷ ص ۲۳۸ ص ۲۳۹ ص ۲۴۰ ص ۲۴۱ ص ۲۴۲ ص ۲۴۳ ص ۲۴۴ ص ۲۴۵ ص ۲۴۶ ص ۲۴۷ ص ۲۴۸ ص ۲۴۹ ص ۲۵۰ ص ۲۵۱ ص ۲۵۲ ص ۲۵۳ ص ۲۵۴ ص ۲۵۵ ص ۲۵۶ ص ۲۵۷ ص ۲۵۸ ص ۲۵۹ ص ۲۶۰ ص ۲۶۱ ص ۲۶۲ ص ۲۶۳ ص ۲۶۴ ص ۲۶۵ ص ۲۶۶ ص ۲۶۷ ص ۲۶۸ ص ۲۶۹ ص ۲۷۰ ص ۲۷۱ ص ۲۷۲ ص ۲۷۳ ص ۲۷۴ ص ۲۷۵ ص ۲۷۶ ص ۲۷۷ ص ۲۷۸ ص ۲۷۹ ص ۲۸۰ ص ۲۸۱ ص ۲۸۲ ص ۲۸۳ ص ۲۸۴ ص ۲۸۵ ص ۲۸۶ ص ۲۸۷ ص ۲۸۸ ص ۲۸۹ ص ۲۹۰ ص ۲۹۱ ص ۲۹۲ ص ۲۹۳ ص ۲۹۴ ص ۲۹۵ ص ۲۹۶ ص ۲۹۷ ص ۲۹۸ ص ۲۹۹ ص ۳۰۰ ص ۳۰۱ ص ۳۰۲ ص ۳۰۳ ص ۳۰۴ ص ۳۰۵ ص ۳۰۶ ص ۳۰۷ ص ۳۰۸ ص ۳۰۹ ص ۳۱۰ ص ۳۱۱ ص ۳۱۲ ص ۳۱۳ ص ۳۱۴ ص ۳۱۵ ص ۳۱۶ ص ۳۱۷ ص ۳۱۸ ص ۳۱۹ ص ۳۲۰ ص ۳۲۱ ص ۳۲۲ ص ۳۲۳ ص ۳۲۴ ص ۳۲۵ ص ۳۲۶ ص ۳۲۷ ص ۳۲۸ ص ۳۲۹ ص ۳۳۰ ص ۳۳۱ ص ۳۳۲ ص ۳۳۳ ص ۳۳۴ ص ۳۳۵ ص ۳۳۶ ص ۳۳۷ ص ۳۳۸ ص ۳۳۹ ص ۳۴۰ ص ۳۴۱ ص ۳۴۲ ص ۳۴۳ ص ۳۴۴ ص ۳۴۵ ص ۳۴۶ ص ۳۴۷ ص ۳۴۸ ص ۳۴۹ ص ۳۵۰ ص ۳۵۱ ص ۳۵۲ ص ۳۵۳ ص ۳۵۴ ص ۳۵۵ ص ۳۵۶ ص ۳۵۷ ص ۳۵۸ ص ۳۵۹ ص ۳۶۰ ص ۳۶۱ ص ۳۶۲ ص ۳۶۳ ص ۳۶۴ ص ۳۶۵ ص ۳۶۶ ص ۳۶۷ ص ۳۶۸ ص ۳۶۹ ص ۳۷۰ ص ۳۷۱ ص ۳۷۲ ص ۳۷۳ ص ۳۷۴ ص ۳۷۵ ص ۳۷۶ ص ۳۷۷ ص ۳۷۸ ص ۳۷۹ ص ۳۸۰ ص ۳۸۱ ص ۳۸۲ ص ۳۸۳ ص ۳۸۴ ص ۳۸۵ ص ۳۸۶ ص ۳۸۷ ص ۳۸۸ ص ۳۸۹ ص ۳۹۰ ص ۳۹۱ ص ۳۹۲ ص ۳۹۳ ص ۳۹۴ ص ۳۹۵ ص ۳۹۶ ص ۳۹۷ ص ۳۹۸ ص ۳۹۹ ص ۴۰۰ ص ۴۰۱ ص ۴۰۲ ص ۴۰۳ ص ۴۰۴ ص ۴۰۵ ص ۴۰۶ ص ۴۰۷ ص ۴۰۸ ص ۴۰۹ ص ۴۱۰ ص ۴۱۱ ص ۴۱۲ ص ۴۱۳ ص ۴۱۴ ص ۴۱۵ ص ۴۱۶ ص ۴۱۷ ص ۴۱۸ ص ۴۱۹ ص ۴۲۰ ص ۴۲۱ ص ۴۲۲ ص ۴۲۳ ص ۴۲۴ ص ۴۲۵ ص ۴۲۶ ص ۴۲۷ ص ۴۲۸ ص ۴۲۹ ص ۴۳۰ ص ۴۳۱ ص ۴۳۲ ص ۴۳۳ ص ۴۳۴ ص ۴۳۵ ص ۴۳۶ ص ۴۳۷ ص ۴۳۸ ص ۴۳۹ ص ۴۴۰ ص ۴۴۱ ص ۴۴۲ ص ۴۴۳ ص ۴۴۴ ص ۴۴۵ ص ۴۴۶ ص ۴۴۷ ص ۴۴۸ ص ۴۴۹ ص ۴۵۰ ص ۴۵۱ ص ۴۵۲ ص ۴۵۳ ص ۴۵۴ ص ۴۵۵ ص ۴۵۶ ص ۴۵۷ ص ۴۵۸ ص ۴۵۹ ص ۴۶۰ ص ۴۶۱ ص ۴۶۲ ص ۴۶۳ ص ۴۶۴ ص ۴۶۵ ص ۴۶۶ ص ۴۶۷ ص ۴۶۸ ص ۴۶۹ ص ۴۷۰ ص ۴۷۱ ص ۴۷۲ ص ۴۷۳ ص ۴۷۴ ص ۴۷۵ ص ۴۷۶ ص ۴۷۷ ص ۴۷۸ ص ۴۷۹ ص ۴۸۰ ص ۴۸۱ ص ۴۸۲ ص ۴۸۳ ص ۴۸۴ ص ۴۸۵ ص ۴۸۶ ص ۴۸۷ ص ۴۸۸ ص ۴۸۹ ص ۴۹۰ ص ۴۹۱ ص ۴۹۲ ص ۴۹۳ ص ۴۹۴ ص ۴۹۵ ص ۴۹۶ ص ۴۹۷ ص ۴۹۸ ص ۴۹۹ ص ۵۰۰ ص ۵۰۱ ص ۵۰۲ ص ۵۰۳ ص ۵۰۴ ص ۵۰۵ ص ۵۰۶ ص ۵۰۷ ص ۵۰۸ ص ۵۰۹ ص ۵۱۰ ص ۵۱۱ ص ۵۱۲ ص ۵۱۳ ص ۵۱۴ ص ۵۱۵ ص ۵۱۶ ص ۵۱۷ ص ۵۱۸ ص ۵۱۹ ص ۵۲۰ ص ۵۲۱ ص ۵۲۲ ص ۵۲۳ ص ۵۲۴ ص ۵۲۵ ص ۵۲۶ ص ۵۲۷ ص ۵۲۸ ص ۵۲۹ ص ۵۳۰ ص ۵۳۱ ص ۵۳۲ ص ۵۳۳ ص ۵۳۴ ص ۵۳۵ ص ۵۳۶ ص ۵۳۷ ص ۵۳۸ ص ۵۳۹ ص ۵۴۰ ص ۵۴۱ ص ۵۴۲ ص ۵۴۳ ص ۵۴۴ ص ۵۴۵ ص ۵۴۶ ص ۵۴۷ ص ۵۴۸ ص ۵۴۹ ص ۵۵۰ ص ۵۵۱ ص ۵۵۲ ص ۵۵۳ ص ۵۵۴ ص ۵۵۵ ص ۵۵۶ ص ۵۵۷ ص ۵۵۸ ص ۵۵۹ ص ۵۶۰ ص ۵۶۱ ص ۵۶۲ ص ۵۶۳ ص ۵۶۴ ص ۵۶۵ ص ۵۶۶ ص ۵۶۷ ص ۵۶۸ ص ۵۶۹ ص ۵۷۰ ص ۵۷۱ ص ۵۷۲ ص ۵۷۳ ص ۵۷۴ ص ۵۷۵ ص ۵۷۶ ص ۵۷۷ ص ۵۷۸ ص ۵۷۹ ص ۵۸۰ ص ۵۸۱ ص ۵۸۲ ص ۵۸۳ ص ۵۸۴ ص ۵۸۵ ص ۵۸۶ ص ۵۸۷ ص ۵۸۸ ص ۵۸۹ ص ۵۹۰ ص ۵۹۱ ص ۵۹۲ ص ۵۹۳ ص ۵۹۴ ص ۵۹۵ ص ۵۹۶ ص ۵۹۷ ص ۵۹۸ ص ۵۹۹ ص ۶۰۰ ص ۶۰۱ ص ۶۰۲ ص ۶۰۳ ص ۶۰۴ ص ۶۰۵ ص ۶۰۶ ص ۶۰۷ ص ۶۰۸ ص ۶۰۹ ص ۶۱۰ ص ۶۱۱ ص ۶۱۲ ص ۶۱۳ ص ۶۱۴ ص ۶۱۵ ص ۶۱۶ ص ۶۱۷ ص ۶۱۸ ص ۶۱۹ ص ۶۲۰ ص ۶۲۱ ص ۶۲۲ ص ۶۲۳ ص ۶۲۴ ص ۶۲۵ ص ۶۲۶ ص ۶۲۷ ص ۶۲۸ ص ۶۲۹ ص ۶۳۰ ص ۶۳۱ ص ۶۳۲ ص ۶۳۳ ص ۶۳۴ ص ۶۳۵ ص ۶۳۶ ص ۶۳۷ ص ۶۳۸ ص ۶۳۹ ص ۶۴۰ ص ۶۴۱ ص ۶۴۲ ص ۶۴۳ ص ۶۴۴ ص ۶۴۵ ص ۶۴۶ ص ۶۴۷ ص ۶۴۸ ص ۶۴۹ ص ۶۵۰ ص ۶۵۱ ص ۶۵۲ ص ۶۵۳ ص ۶۵۴ ص ۶۵۵ ص ۶۵۶ ص ۶۵۷ ص ۶۵۸ ص ۶۵۹ ص ۶۶۰ ص ۶۶۱ ص ۶۶۲ ص ۶۶۳ ص ۶۶۴ ص ۶۶۵ ص ۶۶۶ ص ۶۶۷ ص ۶۶۸ ص ۶۶۹ ص ۶۷۰ ص ۶۷۱ ص ۶۷۲ ص ۶۷۳ ص ۶۷۴ ص ۶۷۵ ص ۶۷۶ ص ۶۷۷ ص ۶۷۸ ص ۶۷۹ ص ۶۸۰ ص ۶۸۱ ص ۶۸۲ ص ۶۸۳ ص ۶۸۴ ص ۶۸۵ ص ۶۸۶ ص ۶۸۷ ص ۶۸۸ ص ۶۸۹ ص ۶۹۰ ص ۶۹۱ ص ۶۹۲ ص ۶۹۳ ص ۶۹۴ ص ۶۹۵ ص ۶۹۶ ص ۶۹۷ ص ۶۹۸ ص ۶۹۹ ص ۷۰۰ ص ۷۰۱ ص ۷۰۲ ص ۷۰۳ ص ۷۰۴ ص ۷۰۵ ص ۷۰۶ ص ۷۰۷ ص ۷۰۸ ص ۷۰۹ ص ۷۱۰ ص ۷۱۱ ص ۷۱۲ ص ۷۱۳ ص ۷۱۴ ص ۷۱۵ ص ۷۱۶ ص ۷۱۷ ص ۷۱۸ ص ۷۱۹ ص ۷۲۰ ص ۷۲۱ ص ۷۲۲ ص ۷۲۳ ص ۷۲۴ ص ۷۲۵ ص ۷۲۶ ص ۷۲۷ ص ۷۲۸ ص ۷۲۹ ص ۷۳۰ ص ۷۳۱ ص ۷۳۲ ص ۷۳۳ ص ۷۳۴ ص ۷۳۵ ص ۷۳۶ ص ۷۳۷ ص ۷۳۸ ص ۷۳۹ ص ۷۴۰ ص ۷۴۱ ص ۷۴۲ ص ۷۴۳ ص ۷۴۴ ص ۷۴۵ ص ۷۴۶ ص ۷۴۷ ص ۷۴۸ ص ۷۴۹ ص ۷۵۰ ص ۷۵۱ ص ۷۵۲ ص ۷۵۳ ص ۷۵۴ ص ۷۵۵ ص ۷۵۶ ص ۷۵۷ ص ۷۵۸ ص ۷۵۹ ص ۷۶۰ ص ۷۶۱ ص ۷۶۲ ص ۷۶۳ ص ۷۶۴ ص ۷۶۵ ص ۷۶۶ ص ۷۶۷ ص ۷۶۸ ص ۷۶۹ ص ۷۷۰ ص ۷۷۱ ص ۷۷۲ ص ۷۷۳ ص ۷۷۴ ص ۷۷۵ ص ۷۷۶ ص ۷۷۷ ص ۷۷۸ ص ۷۷۹ ص ۷۸۰ ص ۷۸۱ ص ۷۸۲ ص ۷۸۳ ص ۷۸۴ ص ۷۸۵ ص ۷۸۶ ص ۷۸۷ ص ۷۸۸ ص ۷۸۹ ص ۷۹۰ ص ۷۹۱ ص ۷۹۲ ص ۷۹۳ ص ۷۹۴ ص ۷۹۵ ص ۷۹۶ ص ۷۹۷ ص ۷۹۸ ص ۷۹۹ ص ۸۰۰ ص ۸۰۱ ص ۸۰۲ ص ۸۰۳ ص ۸۰۴ ص ۸۰۵ ص ۸۰۶ ص ۸۰۷ ص ۸۰۸ ص ۸۰۹ ص ۸۱۰ ص ۸۱۱ ص ۸۱۲ ص ۸۱۳ ص ۸۱۴ ص ۸۱۵ ص ۸۱۶ ص ۸۱۷ ص ۸۱۸ ص ۸۱۹ ص ۸۲۰ ص ۸۲۱ ص ۸۲۲ ص ۸۲۳ ص ۸۲۴ ص ۸۲۵ ص ۸۲۶ ص ۸۲۷ ص ۸۲۸ ص ۸۲۹ ص ۸۳۰ ص ۸۳۱ ص ۸۳۲ ص ۸۳۳ ص ۸۳۴ ص ۸۳۵ ص ۸۳۶ ص ۸۳۷ ص ۸۳۸ ص ۸۳۹ ص ۸۴۰ ص ۸۴۱ ص ۸۴۲ ص ۸۴۳ ص ۸۴۴ ص ۸۴۵ ص ۸۴۶ ص ۸۴۷ ص ۸۴۸ ص ۸۴۹ ص ۸۵۰ ص ۸۵۱ ص ۸۵۲ ص ۸۵۳ ص ۸۵۴ ص ۸۵۵ ص ۸۵۶ ص ۸۵۷ ص ۸۵۸ ص ۸۵۹ ص ۸۶۰ ص ۸۶۱ ص ۸۶۲ ص ۸۶۳ ص ۸۶۴ ص ۸۶۵ ص ۸۶۶ ص ۸۶۷ ص ۸۶۸ ص ۸۶۹ ص ۸۷۰ ص ۸۷۱ ص ۸۷۲ ص ۸۷۳ ص ۸۷۴ ص ۸۷۵ ص ۸۷۶ ص ۸۷۷ ص ۸۷۸ ص ۸۷۹ ص ۸۸۰ ص ۸۸۱ ص ۸۸۲ ص ۸۸۳ ص ۸۸۴ ص ۸۸۵ ص ۸۸۶ ص ۸۸۷ ص ۸۸۸ ص ۸۸۹ ص ۸۹۰ ص ۸۹۱ ص ۸۹۲ ص ۸۹۳ ص ۸۹۴ ص ۸۹۵ ص ۸۹۶ ص ۸۹۷ ص ۸۹۸ ص ۸۹۹ ص ۹۰۰ ص ۹۰۱ ص ۹۰۲ ص ۹۰۳ ص ۹۰۴ ص ۹۰۵ ص ۹۰۶ ص ۹۰۷ ص ۹۰۸ ص ۹۰۹ ص ۹۱۰ ص ۹۱۱ ص ۹۱۲ ص ۹۱۳ ص ۹۱۴ ص ۹۱۵ ص ۹۱۶ ص ۹۱۷ ص ۹۱۸ ص ۹۱۹ ص ۹۲۰ ص ۹۲۱ ص ۹۲۲ ص ۹۲۳ ص ۹۲۴ ص ۹۲۵ ص ۹۲۶ ص ۹۲۷ ص ۹۲۸ ص ۹۲۹ ص ۹۳۰ ص ۹۳۱ ص ۹۳۲ ص ۹۳۳ ص ۹۳۴ ص ۹۳۵ ص ۹۳۶ ص ۹۳۷ ص ۹۳۸ ص ۹۳۹ ص ۹۴۰ ص ۹۴۱ ص ۹۴۲ ص ۹۴۳ ص ۹۴۴ ص ۹۴۵ ص ۹۴۶ ص ۹۴۷ ص ۹۴۸ ص ۹۴۹ ص ۹۵۰ ص ۹۵۱ ص ۹۵۲ ص ۹۵۳ ص ۹۵۴ ص ۹۵۵ ص ۹۵۶ ص ۹۵۷ ص ۹۵۸ ص ۹۵۹ ص ۹۶۰ ص ۹۶۱ ص ۹۶۲ ص ۹۶۳ ص ۹۶۴ ص ۹۶۵ ص ۹۶۶ ص ۹۶۷ ص ۹۶۸ ص ۹۶۹ ص ۹۷۰ ص ۹۷۱ ص ۹۷۲ ص ۹۷۳ ص ۹۷۴ ص ۹۷۵ ص ۹۷۶ ص ۹۷۷ ص ۹۷۸ ص ۹۷۹ ص ۹۸۰ ص ۹۸۱ ص ۹۸۲ ص ۹۸۳ ص ۹۸۴ ص ۹۸۵ ص ۹۸۶ ص ۹۸۷ ص ۹۸۸ ص ۹۸۹ ص ۹۹۰ ص ۹۹۱ ص ۹۹۲ ص ۹۹۳ ص ۹۹۴ ص ۹۹۵ ص ۹۹۶ ص ۹۹۷ ص ۹۹۸ ص ۹۹۹ ص ۱۰۰۰ ص

## عدم تحریف پر عقلی اور نقلی دلیلیں:

۱۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق بہت سے عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں جو قرآن مجید کی عدم تحریف پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ ایک تو خود قرآن مجید فرماتا ہے: (انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون) (ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا اور اس کی حفاظت بھی ہمارے ذمہ ہے) (۱) ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے:

(و انه لكتاب عزيز لا ياتيه الباطل من بين يديه و

لا من خلفه لنزله من حكيم حميد) (۲)

”یہ کتاب گہمت ناپذیر ہے۔ اس میں باطل املا سرائت نہیں کر سکتا ہے نہ سامنے سے اور نہ پیچھے کی طرف سے کیونکہ یہ حکیم وحید خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے“

کیا اس قسم کی کتاب جسکی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہو اس میں کوئی تحریف کر سکتا ہے؟

اور ویسے بھی قرآن مجید کوئی متروک اور بھلائی گئی کتاب نہیں تھی کہ کوئی اس میں کمی یا زیادتی کر سکے۔

کاتبان وحی کی تعداد چودہ سے لیکر تقریباً چار سو (۴۰۰) تک نقل کی گئی ہے۔ جیسے ہی کوئی آیت نازل ہوتی یہ افراد فوراً اسے لکھ لیتے تھے۔ علاوہ براین سیکڑوں حافظ قرآن پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں تھے جو آیت کے نازل ہوتے ہی اس کو حفظ کر لیتے تھے اور قرآن مجید کی

(۱) سورہ حجر آیت ۹۔

(۲) سورہ نمل آیت ۳۱۔

میں نے جواب میں کہا، اس بات کو آزمانا انتہائی آسان ہے۔ آپ خود ہمارے ساتھ تشریف لے چلیے یا اپنا نمائندہ بھیج دیں (تمام اخراجات ہمارے ذمہ ہونگے) واپس تہران چلے چلتے ہیں۔ قرآن مجید تمام مساجد اور گھروں میں موجود ہیں۔ تہران میں ہزاروں مسجدیں اور لاکھوں گھر ہیں۔ مسجد یا گھر کا انتخاب آپکے نمائندے کے اختیار میں ہوگا۔ وہ جس گھر کا انتخاب کرے گا ہم اُس دروازے پر دستک دیکر قرآن مجید طلب کریں گے اس وقت آپ دیکھ لینا کہ شیعوں کے گھروں میں موجود قرآن مجید، دیگر مسلمان ممالک کے قرآن مجید کے ساتھ ایک لفظ کا بھی فرق نہیں رکھتا ہے۔ آپ جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو اس قسم کی جھوٹی افواہوں کا شکار نہیں ہونا چاہیے!

۶۔ ہمارے بہت سے قاری، انٹرنیشنل مقابلہ قرأت میں اول نمبر پر آئے ہیں۔ ہمارے حافظ، بالخصوص ہمارے کسن حفاظ نے بہت سے اسلامی ممالک میں تعجب خیز اور قابل تحسین قرآنی منظر پیش کیے ہیں۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں ہمارے حفاظ اور قاریوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہمارے وسیع و عریض ملک میں جگہ جگہ حفظ، قرأت، تفسیر قرآن کی کلاسیں اور علوم قرآن کے کانچ و یونیورسٹیاں موجود ہیں۔ ان تمام چیزوں کا اثبات، نزدیک سے مشاہدہ کے ذریعہ تمام لوگوں کے لئے آسان ہے۔

ان تمام موارد میں صرف اسی قرآن مجید سے استفادہ کیا جاتا ہے جو تمام مسلمان ممالک میں متداول ہے اور ہمارا کوئی بھی باشندہ اس معروف قرآن کے علاوہ کسی دوسرے قرآن کو نہیں پہچانتا ہے۔ اور ہمارے ہاں کسی بھی مجلس یا محفل میں تحریف قرآن کی بات نہیں کی جاتی

نویں امام حضرت امام محمد تقیؑ اپنے ایک صحابی کو لوگوں کے حق سے منحرف ہو جانے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

(وكان من نبذهم الكتاب ان اقامو حروفه و  
حرفو حدوده) (۱)

بعض لوگوں نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا ہے، وہ اس طرح کہ اس کے الفاظ کو انہوں نے حفظ کر لیا ہے اور اس کے مفہیم میں تحریف کی ہے۔

یہ اور اسکی مانند دیگر احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ اس کے معانی میں تحریف ہوئی ہے۔ بعض لوگ اپنی خواہشات اور ذاتی منافع کی خاطر آیات کی خلاف واقع تفسیر و توجیہ کرتے ہیں۔ یہاں سے ایک اہم نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بعض روایات میں تحریف کی بات ہوئی بھی ہے تو اس سے تحریف معنوی اور تفسیر بالرائی مراد ہے نہ الفاظ و عبارات کی تحریف۔

دوسری طرف سے بہت سی معتبر روایات جو ائمہ معصومینؑ سے ہم تک پہنچی ہیں میں بیان کیا گیا ہے کہ روایات کے صحیح و نامصحیح ہونے کی تشخیص کے لئے بالخصوص جب انکے درمیان ظاہراً تضاد و اختلاف پایا جا رہا ہو تو معیار قرآن مجید کے ساتھ تطبیق دینا ہے۔ جو حدیث قرآن مجید کے مطابق ہو وہ صحیح ہے اس پر عمل کیا جائے اور جو حدیث قرآن مجید کے خلاف ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔

تلاوت کرنا اس زمانے میں انکی سب سے اہم عبادت شمار ہوتی تھی۔ اور دن رات قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی تھی۔

اس سے بڑھ کر قرآن مجید، اسلام کا بنیادی قانون اور مسلمانوں کی زندگی کا آئین و اصول تھا اور زندگی کے ہر شعبے میں قرآن مجید حاضر و موجود تھا۔

عقل یہ حکم لگاتی ہے کہ ایسی کتاب میں تحریف اور کسی کی اور زیادتی کا امکان نہیں ہے۔ آئمہ معصومینؑ سے جو روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ بھی قرآن مجید کی عدم تحریف اور تمامیت پر تاکید کرتی ہیں۔

امیر المومنین علیؑ، نبی البلاغہ میں واضح الفاظ میں فرماتے ہیں؛

(الزل علیکم الكتاب قبیلاً لكل شیء و عمر فیکم لیبیہ  
ازمانا حتی اکمل لہ و لکم فیہا الزل من کتاب،  
لہم الذی رضی لنفسہ) (۱)

(اللہ تعالیٰ نے ایسا قرآن مجید نازل کیا جو ہر شے کو بیان کرتا ہے پھر اس نے اپنے پیغمبر کو اتنی مہر عطا فرمائی کہ وہ اپنے دین کو تمہارے لئے قرآن مجید کے وسیلہ سے کامل کر دیں۔

نبی البلاغہ کے خطبوں میں بہت سے مقامات پر قرآن مجید کا تذکرہ ہوا ہے لیکن کہیں بھی قرآن مجید کی تحریف سے متعلق زرہ برابر اشارہ نہیں ملتا بلکہ قرآن مجید کے کامل ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔

ہم نے ہر مقام پر کہا ہے اور اب بھی کہتے ہیں کہ مذہب شیعہ کے علماء و محققین میں سے کوئی بھی (خود انکی اپنی کتابوں کی گواہی کے مطابق) تحریف کا قائل نہیں تھا اور نہ ہے۔ لیکن پھر بھی بعض تعصب اور ہٹ دھرم قسم کے لوگ اس تہمت پر اصرار کرتے ہیں۔ پتہ نہیں قیامت والے دن وہ کیا جواب دیں گے کیونکہ ایک طرف تو تہمت لگا رہے ہیں اور دوسری طرف قرآن مجید کی اہمیت کو کم کر رہے ہیں۔

اگر آپ کا بہانہ وہ بعض ضعیف روایات ہیں جو ہماری کتابوں میں نقل ہوئی ہیں تو اس قسم کی ضعیف روایات آپ کی حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ جنکی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔

کوئی بھی مذہب ضعیف روایات کی بنا پر استوار نہیں ہوتا ہے۔

اور ہم نے کبھی بھی ابن الخطیب مصری کی کتاب (الفرقان فی تحریف القرآن) کی خاطر یا آپ کی ان ضعیف روایات کی خاطر جو تحریف قرآن پر مشتمل ہیں آپ پر تحریف قرآن کی تہمت نہیں لگائی۔ اور ہم کبھی بھی قرآن مجید کو تحریف کاری کرنے والے تعصب کا شکار نہیں ہونے دیں گے۔

دن رات تحریف قرآن کی باتیں نہ کیجئے۔ اسلام، مسلمین اور قرآن مجید پر ظلم نہ کیجئے اور اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے بار بار تحریف قرآن کی رٹ لگا کر پوری دنیا کے مسلمانوں کے اصلی سرمائے یعنی قرآن مجید کے اعتبار کو کم نہ کیجئے۔ دشمن کو بہانہ فراہم نہ کیجئے۔ تم اگر اس طریقے سے شیعوں اور اہل بیت کے پیروکاروں سے انتقام لینا چاہتے ہو تو جان لو تم جہالت

(اعرضوا ہما علی کتاب اللہ فما وافق کتاب

اللہ فخذوا وہ وما خالف کتاب اللہ فردوا) (۱)

یہ بالکل واضح دلیل ہے کہ قرآن مجید میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر تحریف ہو جاتی تو قرآن مجید حق و باطل کی تشخیص کا معیار قرار نہیں پاسکتا تھا۔

ان تمام ادلہ سے بڑھ کر مشہور حدیث ”حدیث ثقلین“ شیعہ و اہل سنت کتابوں میں کثرت کے ساتھ نقل ہوئی ہے (۱) جس میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

(اللی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی

اہل بیتی ما ان تمسکتہم بہما لن تضلوا)

میں تمہارے درمیان دو یادگار گراںمجاز چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت ہے اگر ان دونوں سے تمسک رکھا تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔

یہ پر مغز حدیث شریف بالکل واضح کر رہی ہے کہ قرآن مجید، عترت پیغمبرؐ کے ساتھ قیامت تک لوگوں کی ہدایت کے لیے ایک انتہائی مطمئن پناہ گاہ ہے۔ اب اگر قرآن مجید خود تحریف کا شکار ہو جاتا تو وہ کس طرح لوگوں کے لئے ایک مطمئن پناہ گاہ بن سکتا تھا اور انہیں ہر قسم کی گمراہی سے نجات دلا سکتا تھا۔

اختتامیہ کلمات: آخری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ گناہ کبیرہ ہے کہ کسی پر ایسی بات یا ایسے کام کی تہمت لگائی جائے جو اس نے نہ کہی ہو یا اسے انجام نہ دیا ہو۔

اور نادانی سے اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے ہو۔ کیونکہ تم کہتے ہو کہ مسلمانوں کا ایک عظیم گروہ تحریف قرآن کا قائل ہے اور یہ قرآن مجید پر ظلم عظیم ہے۔

آخر میں پھر ایک دفعہ صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ شیعہ اور اہل سنت کا کوئی محقق بھی تحریف قرآن کا قائل نہیں ہے بلکہ سب علماء اس قرآن مجید کو جو پیغمبر اکرم پر نازل ہوا اور جو آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے ایک ہی سمجھتے ہیں۔ اور خود قرآن مجید کی تصریح کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے اور ہر قسم کی تحریف، تبدیلی اور زوال سے اسے محفوظ رکھنے کی ضمانت دی ہے۔

لیکن دونوں طرف سے بعض بے خبر، نا آگاہ متعصب قسم کے لوگ، ایک دوسرے کی طرف تحریف کی نسبت دیتے ہیں اور اس مسئلے کو اختلاف کے عروج تک پہنچا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو ہدایت فرمائے۔ (آمین)

۲

”فقہ“

قرآن و سنت کے آئینہ میں

دوسرا مسئلہ جس پر ہمیشہ ہمارے متعصب مخالفین اور بہانہ تلاش کرنے والے افراد، مکتب اہلیت کے پیروکاروں پر تشبیہ کرتے ہیں، ”تقیہ“ کا مسئلہ ہے۔

وہ کہتے ہیں تم کیوں تقیہ کرتے ہو؟ کیا تقیہ ایک قسم کا نفاق نہیں ہے؟!

یہ لوگ اس مسئلہ کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں کہ گویا تقیہ کوئی حرام کام یا گناہ کبیرہ یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی گناہ ہے۔ یہ لوگ اس بات سے غافل ہیں کہ قرآن مجید نے متعدد آیات میں تقیہ کو مخصوص شرائط کے ساتھ جائز شمار کیا ہے۔ اور خود ان کے اپنے مصادر میں منقول روایات اس بات کی تائید کرتی ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر تقیہ (اپنی مخصوص شرائط کے ساتھ) ایک واضح عقلی فیصلہ ہے۔ خود ان کے بہت سے لوگوں نے اپنی ذاتی زندگی میں اس کا تجربہ کیا ہے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

اس بات کی وضاحت کے لیے چند نکات کی طرف توجہ ضروری ہے۔

## ۱۔ تقیہ کیا ہے؟

تقیہ یہ ہے کہ انسان اپنے مذہبی عقیدہ کو شدید اور متعصب مخالفین کے سامنے کر جو اس کے لئے خطرہ ایجاد کر سکتے ہوں چھپالے۔ مثال کے طور پر اگر ایک موقد مسلمان، ہٹ دھرم بت پرستوں کے چنگل میں پھنس جائے، اب اگر وہ اسلام اور توحید کا اظہار کرتا ہے تو وہ اس کا خون بہا دیں گے یا اسے جان، مال یا ناموس کے اعتبار سے شدید نقصان پہنچائیں گے۔ اس

المؤمن) یعنی (با ایمان لوگوں کی ڈھال) کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔ کسی انسان کی عقل اجازت نہیں دیتی کہ انسان اپنے باطنی عقیدہ کا خطرناک اور غیر منطقی افراد کے سامنے اظہار کرے اور خواہ مخواہ اپنی جان، مال یا ناموس کو خطرے میں ڈالے۔ کیونکہ بلاوجہ طاقت اور وسائل کو ضائع کرنا کوئی عقلی کام نہیں ہے۔

تقیہ: اس طریقہ کار کے مشاہدہ ہے جسے تمام فوجی، میدان جنگ میں استعمال کرتے ہیں اپنے آپ کو دشتوں، سرنگوں اور ریت کے ٹیلوں کے پیچھے چھپا لیتے ہیں اور اپنا لباس درختوں کی شاخوں کے رنگ جیسا انتخاب کرتے ہیں تاکہ بلاوجہ ان کا خون ہدر نہ جائے۔

دنیا کے تمام عقلاء اپنی جان کی حفاظت کے لئے سخت دشمن کے مقابلے میں تقیہ والی روش سے استفادہ کرتے ہیں۔ کبھی بھی عقلاء کسی کو ایسا طریقہ اپنانے پر سرزنش نہیں کریں گے۔ آپ دنیا میں ایک انسان بھی ایسا نہیں ڈھونڈ سکتے جو تقیہ کو اس کی شرائط کے ساتھ قبول نہ کرتا ہو۔

### ۳۔ تقیہ کتاب الہی میں:

قرآن مجید نے متعدد آیات میں تقیہ کو کفار اور منافقین کے مقابلہ میں جائز قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات پیش خدمت ہیں۔

(الف) آل فرعون کے مؤمن کی داستان میں یوں بیان ہوا ہے۔

(وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اتِّقِ اللَّهَ وَحَدِّثْ لَنَا

حالت میں مسلمان اپنے عقیدہ کو ان سے پنہاں کر لیتا ہے تاکہ انکے گزند سے امان میں رہے یا مثلاً، اگر ایک شیعہ مسلمان کسی یہاں میں ایک ہٹ دھرم وہابی کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے جو شیعوں کا خون بہانا مباح سمجھتا ہے۔ اس حالت میں وہ مؤمن اگر اپنی جان، مال اور ناموس کی حفاظت کے لئے اُس وہابی سے اپنا عقیدہ چھپا لیتا ہے تو ہر عاقل اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ایسی حالت میں یہ کام مکمل طور پر منطقی ہے اور عقل بھی یہاں بھی حکم لگاتی تھی۔ کیونکہ خواہ مخواہ اپنی جان کو متعصب لوگوں کی نذر نہیں کرنا چاہیے۔

### ۲۔ تقیہ اور نفاق کا فرق:

نفاق بالکل تقیہ کے مقابلے میں ہے۔ منافق وہ ہوتا ہے جو باطن میں اسلامی قوانین پر عقیدہ نہ رکھتا ہو یا انکے بارے میں شک رکھتا ہو لیکن مسلمانوں کے درمیان اسلام کا اظہار کرتا ہو۔

جس تقیہ کے ہم قائل ہیں وہ یہ ہے کہ انسان باطن میں صحیح اسلامی عقیدہ رکھتا ہو، البتہ صرف ان شدت پسند وہابیوں کا جبر دکار نہیں ہے جو اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں اور انکے لیے کفر کا خط کھینچ دیتے ہیں اور انہیں دھمکیاں دیتے ہیں۔ جب بھی ایسا با ایمان شخص اپنی جان، مال یا ناموس کی حفاظت کے لئے اس متعصب ٹولے سے اپنا عقیدہ چھپا لے اس کو تقیہ کہتے ہیں اور اس کے مقابل والا کفر نفاق ہے۔

### ۳۔ تقیہ عقل کے ترازو میں:

تقیہ حقیقت میں ایک دفاعی ڈھال ہے۔ اسی لیے ہماری روایات میں اسے (تسبیح)

بالبینات ..... (۱)

آل فرعون میں سے ایک با ایمان مرد نے کہ جو (موسیٰ کی شریعت پر) اپنے ایمان کو چھپاتا تھا کہا: کیا تم ایسے مرد کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار خدا ہے اور وہ اپنے ساتھ واضح معجزات اور روشن دلائل رکھتا ہے۔

پھر مزید مؤمن کہتا ہے (اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اگر جھوٹ کہتا ہے تو اس جھوٹ کا اثر اس کے دامن گیر ہوگا اور اگر سچ کہتا ہے تو ممکن ہے بعض عذاب کی جو ہمہ کیاں اس نے سنا کی ہیں وہ تمہارے دامن گیر ہو جائیں) پس اس طریقے سے آل فرعون کے اس مؤمن نے تقیہ کی حالت میں (یعنی اپنے ایمان کو مخفی رکھتے ہوئے) اس ہٹ دھرم اور متعصب لوے کو کہہ جو حضرت موسیٰ کے قتل کے درپے تھا ضروری نصیحتیں کر دیں۔

ب) قرآن مجید کے ایک دوسرے صریح فرمان میں ہم یوں پڑھتے ہیں۔

(لَا يَتَّخِذِ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ  
الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ  
فِي شَيْءٍ) (۱) ان تتقو منهم تقاة۔ (۲)

مؤمنین کو نہیں چاہیے کہ کفار کو اپنا دوست بنائیں۔ جو بھی ایسا کریگا وہ خدا سے بیگانہ ہے ہاں مگر یہ کہ تقیہ کے طور پر ایسا کیا جائے۔

اس آیت میں دشمنان حق کی دوستی سے مکمل طور پر منع کیا گیا ہے مگر اس صورت میں اجازت ہے کہ جب ان کے ساتھ اظہار دوستی نہ کرنا مسلمان کی آزار و اذیت کا سبب بنے، اس وقت ایک دفاعی ڈھال کے طور پر ان کی دوستی سے تقیہ کی صورت میں فائدہ اٹھایا جائے۔

(۱) سورہ انفرا آیت ۲۸۔

http://fb.com/jabirabbas

ج) جناب عمارؓ یا سر اور انکے ماں باپ کی داستان کو تمام مفسرین نے نقل کیا ہے۔ یہ تینوں اشخاص مشرکین عرب کے چنگل میں پھنس گئے تھے۔ اور مشرکین نے انہیں پیغمبر اکرمؐ سے اظہار براءت کرنے کو کہا۔ جناب عمارؓ کے والدین نے اعلان لاعلمی سے انکار کیا جس کے نتیجہ میں وہ شہید ہو گئے۔ لیکن جناب عمارؓ نے تقیہ کرتے ہوئے انکی مرضی کی بات کہہ دی۔ اور اس کے بعد جب گریہ کرتے ہوئے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں آئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَن اُكْرِهٖ و

قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ) ..... (۱)

جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائیں..... انکے لئے شدید عذاب ہے مگر وہ لوگ جنہیں مجبور کیا جائے۔

پیغمبر اکرمؐ نے جناب عمارؓ کے والدین کو شہداء میں شمار کیا اور جناب عمارؓ یا سر کی آنکھوں سے آنسو صاف کیے اور فرمایا تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر پھر مشرکین تمہیں مجبور کریں تو انہی کلمات کا تکرار کرنا۔ تمام مسلمان مفسرین کا اس آیت کی شان نزول کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ آیت جناب عمارؓ یا سر اور انکے والدین کے بارے میں نازل ہوئی اور بعد میں رسول خداؐ نے یہاں سے بھی ادا فرمائے۔ تو اس اتفاق سے عیاں ہو جاتا ہے کہ سب مسلمان تقیہ کے جواز کے قائل ہیں۔ ہاں یہ بات باعث تعجب ہے کہ قرآن مجید سے اتنی محکم اولہ اور اہل سنت مفسرین کے اقوال کے باوجود شیعہ کو تقیہ کی خاطر مورد طعن قرار دیا جاتا ہے۔

(۱) سورہ انفرا آیت ۱۰۶۔

جی ہاں تو جناب عمارؓ منافق تھے نہی آل فرعون کا وہ مومن منافق تھا بلکہ تقیہ کے دستور الہی سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔

## ۵۔ تقیہ اسلامی روایات میں:

اسلامی روایات میں بھی تقیہ کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ مثال کے طور پر مسند ابی شیبہ اہل سنت کی معروف مسند ہے۔ اس میں (مسئلہ کذاب) کی داستان میں نقل ہوا ہے کہ مسئلہ کذاب نے رسول خداؐ کے دو اصحاب کو اپنے اثر و رسوخ والے علاقے میں گرفتار کر لیا اور دونوں سے سوال کیا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا نمائندہ ہوں؟ ایک نے گواہی دے کر اپنی جان بچالی اور دوسرے نے گواہی نہیں دی تو اس کی گردن اڑادی گئی۔ جب یہ خبر رسول خداؐ تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا جو قتل ہو گیا اس نے صداقت کے راستے پر قدم اٹھایا اور دوسرے نے رخصت الہی کو قبول کر لیا اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہے (۱)

ائمہ اہل بیتؑ کی احادیث میں بھی بالخصوص ان ائمہ کے کلمات میں کہ جو بنو عباس اور بنو امیہ کی حکومت کے زمانہ میں زندگی بسر کرتے تھے اور اس دور میں جہاں کہیں محبت علی ملتا اسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ تقیہ کا حکم کثرت سے ملتا ہے۔ کیونکہ وہ مامور تھے کہ ظالم اور بے رحم دشمنوں سے اپنی جان بچانے کے لئے تقیہ کی ڈھال سے استفادہ کریں۔

## ۶۔ کیا تقیہ صرف کفار کے مقابلے میں ہے؟

ہمارے بعض مخالفین جب ان واضح آیات اور مندرجہ بالا روایات کا سامنا کرتے ہیں تو اسلام میں تقیہ کے جواز کو قبول کرنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس وقت وہ

یوں راہ فرار تلاش کرتے ہیں کہ تقیہ تو صرف کفار کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں تقیہ جائز نہیں ہے۔ حالانکہ مندرجہ بالا ادلہ کی روشنی میں بالکل واضح ہے کہ ان دو موارد میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۱۔ اگر تقیہ کا مفہوم متعصب اور خطرناک افراد کے مقابلے میں اپنی جان، مال اور ناموس کی حفاظت کرنا ہے، اور حقیقت میں بھی یوں ہی ہے، تو پھر نا آگاہ اور متعصب مسلمان اور کافر کے درمیان کیا فرق ہے؟ اگر عقل و خرد یہ حکم لگاتی ہے کہ ان امور کی حفاظت ضروری ہے اور انہیں یہودہ طور پر ضائع کرنا مناسب نہیں ہے تو پھر ان دو مقامات میں کیا فرق ہے۔

دنیا میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو انتہائی جہالت اور غلط پروپیگنڈہ کی وجہ سے کہتے ہیں کہ شیعہ کا خون بہانا قربت الہی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اب اگر کوئی مخلص شیعہ جو امیر المؤمنینؑ کا حقیقی پیروکار ہو اور اس جنایت کا رٹولے کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے اور وہ اس سے پوچھیں کہ بتا تیرا مذہب کیا ہے؟ اب اگر یہ شخص واضح بتا دے کہ میں شیعہ ہوں تو یہ خواہ مخواہ اپنی گردن کو جہالت کی تلوار کے سر پر رکھنے کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟ کوئی بھی صاحب عقل و خرد یہ حکم لگا سکتا ہے؟ بالفاظ دیگر جو کام مشرکین عرب نے جناب عمار و یاسر یا مسئلہ کذاب کے پیروکاروں نے دو اصحاب رسول خداؐ کے ساتھ کیا اگر وہی کام بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفاء اور جاہل مسلمان، شیعوں کے ساتھ انجام دیں تو کیا ہم تقیہ کو حرام کہیں اور اہل بیتؑ کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں مخلص پیروکاروں کی تابودی کے اسباب فراہم کریں صرف اس خاطر کہ یہ حاکم بظاہر مسلمان تھے؟!!

اگر ائمہ اہل بیتؑ تقیہ کے مسئلہ پر بہت زیادہ تاکید نہ کرتے یہاں تک کہ فرمایا ہے

(تسعة اعشار الدين التقية) دس میں سے نو حصے دین تقیہ ہے۔ (۱)

تو بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں شیعوں کے متقلبین کی تعداد شاید لاکھوں بلکہ کروڑوں تک پہنچ جاتی۔ یعنی انکی بے رحمانہ اور وحشیانہ قتل و غارت دسیوں گنا زیادہ ہو جاتی۔

آیا ان شرائط میں تقیہ کی مشروعیت کے بارے میں ذرہ برابر شک رہ جاتا ہے؟ ہم یہ بات فراموش نہیں کر سکتے کہ جب اہل سنت بھی سالہا سال مذہبی اختلافات کی خاطر ایک دوسرے سے تقیہ کرتے تھے۔ من جملہ قرآن مجید کے حادث یا قدیم ہونے پر انکا شدید اختلاف تھا اور اس راہ میں بہت ساروں کا خون بہایا گیا! (وہی نزاع کہ جو آج محققین کی نظر میں بالکل بیہودہ اور بے معنی نزاع ہے) کیا جو گروہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا اگر ان میں سے کوئی شخص مخالفین کے چنگل میں گرفتار ہو جاتا تو کیا اسے صراحت کے ساتھ کہہ دینا چاہیے کہ میرا یہ عقیدہ ہے چاہے اس کا خون بہہ جائے اور اس کے خون پہنے کا نہ کوئی فائدہ ہو اور نہ کوئی تاثیر؟

۲۔ جناب فخر رازی اس آیت (الا ان تسقوا منهم تقاء) (۲) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ آیت کا ظہور یہ ہے کہ تقیہ غالب کافروں کے مقابلے میں جائز ہے (الا ان مذهب الشافعی رض۔ ان الحالة بین المسلمین اذا شاکلت الحالة بین المسلمین و المشرکین حلت التقیہ محاماة علی النفس) لیکن مذہب شافعی یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی کیفیت بھی ایک دوسرے کے ساتھ مسلمین و کفار جیسی ہو جائے تو اپنی جان کی حفاظت کے لئے تقیہ جائز ہے۔

(۱) بحار الانوار، جلد ۹، ص ۲۵۳۔

(۲) سورۃ آل عمران آ ۲۸۔

الامام الشافعی:

(تجوز التقیہ بین المسلمین کما تجوز بین

الکافرین محاماة عن النفس) (۲)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ جان کی حفاظت کی خاطر مسلمانوں سے تقیہ کرنا بھی جائز ہے۔ جس طرح کفار سے تقیہ کرنا جائز ہے۔

۳۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بنی عباس کی خلافت کے دور میں بعض اہل سنت محدثین (قرآن مجید کے قدیم ہونے) پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے بنو عباس کے حکام کی طرف سے دباؤ کا شکار ہوئے انہوں نے تقیہ کرتے ہوئے اعتراف کر لیا کہ قرآن مجید حادث ہے اور اس طرح انہوں نے اپنی جان بچائی۔

”ابن سعد“ مشہور مورخ کتاب طبقات میں اور طبری ایک اور مشہور مورخ اپنی تاریخ کی کتاب میں دو خطوط کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جو مامون کی طرف سے اسی مسئلہ کے بارے میں بغداد کے پولیس افسر (اخلاق بن ابراہیم) کی طرف ارسال کیے گئے۔

(۱) تفسیر کبیر فخر رازی، جلد ۸، ص ۱۳۔

(۲) تفسیر نیشاپوری (تفسیر الطبری کے حاشیہ پر) جلد ۳، ص ۱۱۸۔

پہلے خط کے بارے میں ابن سعد یوں لکھتا ہے کہ مامون نے پولیس افسر کو لکھا کہ سات مشہور محدثین (محمد بن سعد کا تب واقدی۔ ابو مسلم۔ یحییٰ بن معین۔ زہیر بن حرب۔ اسماعیل بن داود۔ اسماعیل بن ابی مسعود۔ و احمد بن الدورقی) کو حفاظتی اقدامات کے ساتھ میری طرف بھیج دو۔ جب یہ افراد مامون کے پاس پہنچے تو اس نے ان سے آزمانے کے لیے سوال کیا کہ قرآن مجید کے بارے میں تمہارا عقیدہ کیا ہے؟ تو سب نے جواب دیا کہ قرآن مجید مخلوق ہے (حالانکہ اس وقت محدثین کے درمیان مشہور نظریہ اس کے برعکس تھا یعنی قرآن مجید کے قدیم ہونے کے قائل تھے اور ان محدثین کا بھی یہی عقیدہ تھا (۱) ہاں انہوں نے مامون کی سخت سزاؤں کے خوف سے تقیہ کیا اور قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا اعتراف کر لیا اور اپنی جان بچالی۔ مامون کے دوسرے خط کے بارے میں کہ جسے طبری نے نقل کیا ہے اور وہ بھی بغداد کے پولیس افسر کے نام تھا یوں پڑھتے ہیں کہ جب مامون کا خط اس کے پاس پہنچا تو اس نے بعض محدثین کو کہ جنکی تعداد شاید ۲۶ چھبیس افراد تھی حاضر کیا اور مامون کا خط انکے سامنے پڑھا۔ پھر ہر ایک کو الگ الگ پکار کر قرآن مجید کے بارے میں اس کا عقیدہ معلوم کیا۔ ان میں سوائے چار افراد کے سب نے اعتراف کیا کہ قرآن مجید مخلوق ہے (اور تقیہ کر کے اپنی جان بچالی) جن چار افراد نے اعتراف نہیں کیا انکے نام یہ تھے احمد ابن حنبل، سجادہ، القواریری، اور محمد بن نوح۔ پولیس انسپکٹر نے حکم دیا کہ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر زندان میں ڈال دیا جائے۔ دوسرے دن دوبارہ ان چاروں افراد کو بلایا اور قرآن مجید کے بارے میں اپنے سوال کا تکرار کیا۔ سجادہ نے اعتراف کر لیا کہ قرآن مجید مخلوق ہے وہ آزاد ہو

کیا۔ باقی تین نے مخالفت پر اصرار کیا، انہیں دوبارہ زندان بھیج دیا گیا۔ اگلے دن پھر ان تین افراد کو بلایا گیا اس مرتبہ (القواریری) نے اپنا بیان واپس لے لیا اور آزاد ہو گیا۔ لیکن احمد ابن حنبل اور محمد بن نوح اسی طرح اپنے عقیدہ پر مقرر رہے۔ پولیس انسپکٹر نے انہیں (طرطوس) شہر میں جلاوطن کر دیا۔

جب کچھ لوگوں نے ان تقیہ کرنے والوں پر اعتراض کیا تو انہوں نے کفار کے مقابلے میں جناب عمار یاسر کے عمل کو دلیل کے طور پر پیش کیا (۲) ان موارد سے بالکل روشن ہو جاتا ہے کہ جس وقت انسان کسی چنگل میں گرفتار ہو جائے اور اس وقت ظالموں سے نجات پانے کا تمہارا تقیہ ہو تو وہ یہ راستہ اختیار کر سکتا ہے خواہ یہ تقیہ کافر کے مقابلے میں ہو یا مسلمان کے مقابلے میں ہو۔

### (۷) حرام تقیہ:

بعض موارد میں تقیہ حرام ہے اور یہ اس وقت ہے کہ جب ایک فرد یا گروہ کے تقیہ کرنے اور اپنا مذہبی عقیدہ چھپانے سے اسلام کی بنیاد کو خطرہ لاحق ہوتا ہو یا مسلمانوں کو شدید نقصان ہوتا ہو۔ اس وقت اپنے مذہبی عقیدہ کو ظاہر کرنا چاہیے، چاہے ان کے لئے خطرے کا باعث ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے (ولا تفلقوا بایدیکم الی التہلکة) یہ

(۱) یہ تمام مسائل ایک کتاب کے بارے میں ایک شہر ہے (مجم البلدان جلد ۳ ص ۳۰)۔

(۲) تاریخ طبری جلد ۷ ص ۱۹۷۔

لوگ سخت خطاء سے دوچار ہیں کیونکہ اس کا لازمہ یہ ہے کہ میدان جہاد میں حاضر ہونا بھی حرام ہو جائے۔ کوئی بھی عاقل ایسی بات نہیں کرتا ہے۔ یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ یزید کے مقابلے میں امام حسین علیہ السلام کا قیام یقیناً ایک دینی فریضہ تھا۔ اسی لئے امام علیہ السلام تقیہ کے طور پر بھی یزیدیوں اور بنو امیہ کے غاصب خلفاء کے ساتھ کسی قسم کی نرمی دکھانے پر راضی نہ ہوئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے سے اسلام کی بنیاد کو شدید دھچکا لگے گا۔ آپ کا قیام اور آپ کی شہادت مسلمانوں کی بیداری اور اسلام کو جاہلیت کے چنگل سے نجات دلانے کا باعث بنی۔

(”مصلحت آمیز“ تقیہ: یہ تقیہ کی ایک دوسری قسم ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مذہب والے، مسلمانوں کی صفوں میں وحدت برقرار رکھنے کے لئے ان باتوں میں جن سے دین و مذہب کی بنیاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، دوسرے تمام فرقوں کے ساتھ ہماہنگی اور یکجہتی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مثلاً مکتب اہل بیت علیہم السلام کے پیروکار یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کپڑے اور قالین پر سجدہ نہیں ہوتا اور پتھر یا مٹی وغیرہ پر سجدہ کرنا ضروری ہے۔ اور پیغمبر اکرم کی اس مشہور حدیث (جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً) (۱) ”زمین کو میرے لئے محل سجدہ اور وسیلہ تکمیل قرار دیا گیا ہے“ کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اب اگر وہ وحدت برقرار رکھنے کیلئے دیگر مسلمانوں کی صفوں میں انکی مساجد میں یا مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں جب نماز پڑھتے ہیں تو ناگزیر کپڑے پر سجدہ کرتے ہیں۔ یہ کام جائز ہے اور ایسی نماز ہمارے عقیدہ کے مطابق

درست ہے اور اسے ہم مدارا کرنے والا (مصلحت آمیز) تقیہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جان و مال کا خوف درکار نہیں ہے بلکہ اس میں تمام اسلامی فرقوں کے ساتھ مدارا کرنے اور حسن معاشرت کا عنوان درپیش ہے۔ تقیہ کی بحث کا ایک بزرگ عالم دین کے کلام کے ساتھ اختتام کرتے ہیں۔

ایک شیعہ عالم دین کی مصر میں لازہر کے ایک بزرگ استاد سے ملاقات ہوئی اس نے شیعہ عالم کو سرزنش کرتے ہوئے کہا میں نے سنا ہے تم لوگ تقیہ کرتے ہو؟ شیعہ عالم دین نے جواب میں کہا (لعن الله من حملنا على التقية) رحمت الہی سے دور ہوں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں تقیہ پر مجبور کیا! (۱)

(۱) یعنی اگر دشمنوں کی طرف سے ہماری جان و مال کو خطرہ نہ ہوتا تو ہم کبھی بھی تقیہ نہ کرتے (مترجم)

(۱) صحیح بخاری جلد ۱ ص ۹۱ و سنن بیہقی جلد ۱ ص ۳۳۳ (اور بھی بہت سی کتب میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے)۔

۳

# عدالت صحابہ

[jabir.abbas@yahoo.com](mailto:jabir.abbas@yahoo.com)

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب خصوصی امتیازات سے بہرہ مند تھے۔ وحی الہی اور آیات کو پیغمبر اکرمؐ کی زبان مبارک سے سنتے تھے۔ آنحضرتؐ کے معجزات کا مشاہدہ کرتے تھے۔ اور آپکی قیمتی باتوں کے ذریعے پرورش پاتے تھے آنحضرتؐ کے عملی نمونوں اور اسوہ حسنہ سے بہرہ مند تھے۔

اسی وجہ سے انکے درمیان ایسی بزرگ اور ممتاز شخصیات نے تربیت پائی کہ جہاں اسلام جکے وجود پر فخر و مباہات کرتا ہے۔ لیکن اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا تمام اصحاب بغیر کسی استثناء کے مومن، صالح، سچے، درستکار اور عادل افراد تھے یا ان کے درمیان غیر صالح افراد بھی موجود تھے۔

## ۱۔ دو متضاد عقیدے:

صحابہ کے بارے میں دو مختلف عقیدے موجود ہیں: پہلا عقیدہ یہ کہ تمام اصحاب بغیر کسی استثناء کے پاکیزگی و ملہارت کے نور سے منور ہیں اور سب ہی صالح، عادل، باتقویٰ اور صادق تھے۔ اسی وجہ سے ان میں سے جو بھی پیغمبر اکرمؐ سے حدیث نقل کرے صحیح اور قابل قبول ہے۔ اور ان پر کوئی مچھوٹا سا اعتراض بھی نہیں کیا جاسکتا ہے اور اگر ان سے غلط کام سرزد ہو جائے تو ان کی توجہ کرنا چاہئے۔ اہل سنت کے اکثر مفسرین کا عقیدہ یہ ہے کہ

دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ اگرچہ ان کے درمیان با شخصیت، فداکار، پاک اور باتقویٰ افراد موجود تھے لیکن منافق اور غیر صالح افراد بھی موجود تھے۔ اور قرآن مجید اور پیغمبر اکرمؐ نے ان سے اظہار بیزارگی کیا ہے۔

بالفاظ دیگر اچھے اور برے کی تشخیص کا جو معیار ہر جگہ استعمال ہوتا ہے وہی معیار ہم یہاں بھی جاری کریں گے۔ ہاں چونکہ یہ پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب تھے اس لئے ان کے بارے میں ہمارا اصلی و بنیادی نظریہ یہ ہوگا کہ یہ نیک و پاک افراد ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم حقائق سے ہرگز چشم پوشی نہیں کریں گے۔ اور عدالت و صدق سے منافی اعمال کے صدور پر غصہ بغض نہیں کریں گے۔ چونکہ یہ کام، اسلام اور مسلمین پر ایک کاری ضرب لگاتا ہے اور اسلام کی باری و یاری میں منافقین کے داخلہ کا سبب بنتا ہے۔

مذہب شیعہ اور اہلسنت کے روشن فکر علماء کے ایک گروہ نے اس عقیدہ کا انتخاب کیا ہے۔

## ۲۔ تنزیہ کے سلسلہ میں شدت پسندی:

تنزیہ صحابہ والے نظریہ کے طرفداروں کے ایک گروہ نے اتنی شدت اختیار کی ہے کہ جو بھی اصحاب پر تنقید کر دے اسے فاسق اور کبھی ملحد اور زندیق قرار دیتا ہے اور یا اس کا خون بہا یا نہاج سمجھتا ہے۔

”من جملہ ابو زرعہ رازی کی کتاب ”الاصحابہ“ میں یوں ملتا ہے: ”اگر دیکھو کوئی شخص اصحاب پیغمبرؐ میں سے کسی پر تنقید کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔ یہ فتویٰ اس لئے ہے چونکہ رسول خداؐ حق اور قرآن حق ہے اور جو کچھ پیغمبر پر نازل ہوا حق ہے اور ان تمام چیزوں کو

صحابہ نے ہم تک پہنچایا ہے اور یہ (مخالفین) چاہتے ہیں ہمارے شہود (گواہوں) کو بے اعتبار کر دیں تاکہ کتاب و سنت ہاتھ سے چلی جائے!“ (۱)

”عبداللہ مصلیٰ“ اپنی کتاب ”حسنى لا تسخدع“ میں یوں رقمطراز ہیں ”یہ اصحاب ایسا گروہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کی ہم نشینی اور دین و شریعت کے قوام کے لیے بن لیا ہے۔ اور انہیں پیغمبرؐ کا وزیر قرار دیا ہے۔ انکی محبت کو دین و ایمان اور انکے بغض کو کفر و لٹاق شمار کیا ہے اور امت پر واجب کیا ہے کہ ان سب کو دوست رکھیں اور ہمیشہ انکی خوبیاں اور فضائل بیان کریں اور انکی آپس میں جو جنگیں اور جھگڑے ہوئے ہیں ان پر خاموشی اختیار کریں!“ (۲)

غریب روشن ہو جائیگا کہ یہ بات قرآن و سنت کے خلاف ہے۔

## ۳۔ لا جواب سوالات:

ہر ملحد اور منصف مزاج انسان جو ہر بات کو بغیر دلیل اور آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کرتا اپنے آپ سے یہ سوالات کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ازواج پیغمبرؐ کے بارے میں یوں فرماتا ہے کہ:

”فَالنِّسَاءُ النَّبِيِّ مِنْ بَنَاتٍ وَنِكَاحٌ بِفَاحِشَةٍ مَبْنِيَةٍ  
مُضَاعَفٌ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ لَكَ  
عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ“ (۳)

(۱) الاصابہ جلد اول ص ۷۷۔

(۲) حسنى لا تسخدع ص ۲۔

(۳) سورہ احزاب آیت ۳۷۔

اے ازواجِ رسول! تم میں سے جس نے بھی مکمل کھانا کھا لیا اس کی سزا دو برابر ہوگی اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے انتہائی آسان ہے۔

ہم صحابہ کی جو بھی تفسیر کریں (مغربیہ اصحاب کی مختلف تہذیبیں بیان ہوگی) بلاشبہ ازواجِ نبیؐ اصحاب کا روشن ترین مصداق ہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ انکے گناہوں سے چشم پوشی نہیں کی جائے گی بلکہ انکی سزا دو برابر ہوگی۔

کیا ہم اس آیت پر یا نظریہ تنزیہ کے طرفداروں کی بلا مشروط حمایت پر یقین رکھیں؟ نیز قرآن مجید، شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند کے بارے میں اس کی غلطیوں کی وجہ سے یوں فرماتا ہے "انہ عمل غیر صالح" وہ غیر صالح عمل ہے۔ (۱)

اور جناب نوحؑ کو خبردار کیا گیا کہ اس کی شفاعت نہ کریں!

کیا ایک نبیؐ کا فرزند اہم ہوتا ہے یا اس کے اصحاب و اعموان؟

حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کے بارے میں قرآن مجید یوں کہتا ہے:

"وَفُحْشَاتُهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ مَشِيئَةً وَقِيلَ  
الْأَخْلَا النَّارَ مَعَ الْفَاحِشِينَ" (۲)

ان دونوں نے اپنے شوہروں (نوح اور لوط) کے ساتھ خیانت کی (اور دشمنوں کا ساتھ دیا) اور وہ دو شخص ہر انکی شفاعت نہ کر سکے اور ان دونوں کو حکم دیا گیا کہ دو دوزخیوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ۔

کیا یہ آیات صراحت کے ساتھ بیان نہیں کر رہیں کہ افراد کی خوبی اور بدی کا معیار انکا اپنا ایمان اور عمل ہے۔ حتیٰ کہ اگر بُرے اعمال ہوں تو نخل کی بیوی یا بیٹا ہونا بھی جہنم میں جانے سے نہیں روک سکتا۔

اس کے باوجود کیا صحیح ہے کہ ہم آنکھیں بند کر لیں اور کہیں کہ فلاں شخص چونکہ کچھ عرصہ کے لیے نبیؐ کا صحابی رہا ہے لہذا اس کی محبت دین و ایمان اور اس کی مخالفت کفر و نفاق ہے۔ چاہے وہ صحابی بعد میں منافقین کی صف میں داخل ہو گیا ہو اور اس نے نبی اکرمؐ کا دل دکھایا ہو اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہو۔ کیا عقل و خرد اس بات کو قبول کرتی ہے؟

اگر کوئی کہے کہ طلحہ و زبیر ابتدائے اسلام میں اچھے انسان تھے لیکن جس وقت حکومت کی ہوئی ان پر سوار ہوئی تو انہوں نے زوجہ رسولؐ (حضرت عائشہؓ) کو اپنے ساتھ لیا اور حضرت طلحہ کے ساتھ اپنی بیعت و بیان توڑ ڈالی حالانکہ تقریباً تمام مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ پھر انہوں نے جنگ جمل کی آتش کو بھڑکایا اور اس طرح سترہ ہزار مسلمان اس جنگ کا لقمہ بن گئے۔ پس یہ لوگ راہِ راست سے منحرف ہو گئے تھے اور اس عظیم تعداد کا خون انکی گردن پر ہے اور قیامت کے دن یہ جوابدہ ہوں گے۔

کیا یہ بات حقیقت کے خلاف ہے؟

یا اگر کوئی کہے چونکہ معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کی خلاف ورزی کی اور جس خلافت کو تمام مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا تو اس نے انکار کیا اور جب مصعبین کی آگ بھڑکائی جس میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان لقمہ اجل بن گئے۔ لہذا معاویہؓ سمندر آ دی تھا۔ کیا یہ بات ناحق ہے؟

کیا تاریخ کے ان تلخ حقائق سے چشم پوشی کی جاسکتی ہیں۔ یا ان غلط توجیہات کی خاطر کون جنہیں کوئی بھی عقائد آدمی قبول نہیں کرتا ان نہایت افسوس ناک حوادث سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے؟ کیا ”عبداللہ موصلی کے بقول ایسے افراد کی محبت، دین و ایمان ہے اور ان کا کفر و نفاق ہے؟“

کیا ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ان غلط کاموں کے سامنے جو ہزاروں مسلمانوں کے قتل کے موجب بنے ہیں سکوت اختیار کریں؟ کوئی عقل یہ حکم لگاتی ہے؟ قرآن مجید کہتا ہے کہ پیغمبر اکرم کے گرد جمع ہونے والوں میں منافق لوگ بھی تھے کیا ان آیات قرآن سے چشم پوشی کر لیں؟ قرآن مجید یوں فرماتا ہے:

”وَمِن خَوْلَكُم مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ لَحَبٌ لَعْلَمُهُمْ“ (۱)

کیا آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ اس قسم کی منطق کو دنیا کے عقلمندان قبول کر لیں؟

### ۴: صحابہ کون ہیں؟

اس مقام پر ایک اور اہم نکتہ مفہوم ”صحابہ“ ہے۔

صحابہ کہ جن کے بارے میں طہارت و پاکیزگی کی بات کی جاتی ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ صحابہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ اس سلسلہ میں علمائے اہل سنت کی جانب سے مکمل طور پر مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ بعض نے تو اس کے مفہوم کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے جس نے بھی آنحضرتؐ کو دیکھا ہے وہ آپؐ کا صحابی ہے! اسی تعبیر کو ”بخاری“ نے ذکر کیا ہے وہ یوں لکھتے ہیں ”مَنْ صَحِبَ رَسُولَ اللَّهِ أَوْ آدَا مِنْ الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ مِنْ أَصْحَابِهِ“

اہل سنت کے معروف عالم جناب احمد بن حنبل نے بھی صحابی کے مفہوم کو بہت وسیع بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں ”اصحاب رسول اللہ کلُّ مَنْ صَحِبَهُ، شَهَرًا أَوْ يَوْمًا أَوْ سَاعَةً أَوْ زَاوَةً“ ”رسولؐ کا صحابی وہ ہے کہ جس نے رسولؐ کی صحبت اختیار کی ہو چاہے ایک ماہ ایک دن یا حتیٰ ایک گھنٹے کیلئے بھی بلکہ اگر کسی نے آنحضرتؐ کی زیارت کی ہو وہ بھی صحابی ہے!“

۲۔ بعض علماء نے صحابی کی تعریف کو محدود انداز میں پیش کیا ہے مثلاً ”قاضی ابوبکر محمد امین (رحمہ اللہ) لکھتے ہیں کہ اگرچہ صحابی کا لغوی معنی عام ہے لیکن امت کے عرف عام میں اس اصطلاح کا اطلاق صرف ان افراد پر ہوتا ہے جو کافی عرصہ تک آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے ہوں نہ ان لوگوں پر کہ جو صرف ایک گھنٹہ کی محفل میں بیٹھا ہو یا آپؐ کے ساتھ چند قدم تک چلا ہو یا اُس نے ایک آدھ حدیث آنحضرتؐ سے سُن لی ہو۔“

۳۔ بعض علماء نے صحابی کی تعریف کا دائرہ اس سے بھی زیادہ تنگ کر دیا ہے جیسے ”سعید بن المسیب“ لکھتے ہیں کہ ”پیغمبرؐ کا صحابی وہ ہے جو کم از کم ایک یا دو سال آنحضرتؐ کے ساتھ رہا ہو اور ایک یا دو غزوں میں اس نے آنحضرتؐ کے ساتھ شرکت کی ہو“ (۱)

تھے، وہی بااعتماد افراد ہمارے اور پیغمبر اکرمؐ کے درمیان حلقہٴ اتصال بن سکتے ہیں۔ جس طرح ہم شیعہ اہلبیت کے اصحاب کے بارے میں یہی نظریہ رکھتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ بعد والی صدیوں میں بھی یہی مشکل موجود ہے کیونکہ آج ہم کئی واسطوں کے ذریعے اپنے آپ کو زمانہ پیغمبرؐ کے ساتھ متصل کرتے ہیں۔ لیکن کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ یہ تمام واسطے، ثقہ اور صادق ہیں اور ہر صدی کے لوگ بڑے مقدس تھے اور اگر ایسا نہ ہوتا ہمارا دین حزنزل ہو جائیگا۔

بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ روایات کو ثقہ اور عادل افراد سے اخذ کرنا چاہیے۔

علم رجال کی کتب تحریر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ثقہ کو غیر ثقہ سے ممتاز کیا جاسکے۔

تو اب کیا مشکل ہے کہ اصحاب کرام کے بارے میں بھی ہم وہی طریقہ عمل اختیار کریں جو ان سے بعد والوں کے بارے میں اختیار کرتے ہیں؟!

۲۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کے بارے میں ”جرح“ یعنی انکے نقائص بیان کرنے اور ان پر تنقید کرنے سے پیغمبر اسلامؐ کے مقام و منزلت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس لیے اصحاب پر تنقید جائز نہیں ہے۔

جو لوگ اس دلیل کا سہارا لیتے ہیں ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید نے پیغمبرؐ کے گرد جمع ہونے والے منافقین پر شدید ترین حملے نہیں کیے ہیں؟ کیا آنحضرتؐ کے خالص اور صادق اصحاب کے درمیان منافقین کی موجودگی کی وجہ سے آپؐ کی شان میں کمی واقع ہوئی ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے!

خلاصہ یہ کہ ہمیشہ اور ہر زمانے میں حتیٰ تمام انبیاء کے زمانوں میں اچھے اور بُرے افراد

ان تعاریف اور دیگر تعریفوں میں کہ جنہیں طوائف کے خوف کی وجہ سے ذکر نہیں کیا جا رہا ہے متشخص نہیں ہے کہ اس قد است کے دائرے میں آنے والے افراد کون سے ہیں۔ اکثر علماء نے اسی وسیع معنی کو اختیار کیا ہے۔ اگرچہ ہماری مد نظر ابحاث میں ان تعریفوں کے اختلاف سے زیادہ فرق نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ مغربی روشن ہو جائیگا کہ سیرت رسولؐ کی خلاف ورزی کرنیوالے اکثر وہ افراد ہیں جو کافی عرصہ تک آپؐ کے ہم نشین رہے ہیں۔

## ۵: ”عقیدہ تنزیہ کا اصلی سبب“

اس کے باوجود کہ اصحاب کی اس حد تک پاکیزگی کا عقیدہ رکھنا کہ جو بعض لحاظ سے معصیت کے مشابہ ہے نہ تو قرآن مجید میں اس کا حکم آیا ہے نہ احادیث میں بلکہ قرآن، سنت اور تابعین سے اس کے برعکس مطلب ثابت ہے حتیٰ کہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی صدی میں اس قسم کا کوئی عقیدہ موجود نہیں تھا۔ تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ بعد والی صدیوں میں یہ مسئلہ کیوں اور کس دلیل کی بنا پر پیش کیا گیا ہے؟

ہمارے خیال کے مطابق اس عقیدہ کے انتخاب کی چند وجوہات تھیں

۱۔ اگر کمالِ حسنِ ظن سے کام لیا جائے تو ایک وجہ تو یہی ہے جسے سابقہ ابحاث میں ذکر کیا گیا ہے کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ اگر صحابہ کرام کا تقدس پامال ہو جائے تو انکے اور پیغمبرؐ کے درمیان حلقہٴ اتصال ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید اور پیغمبر اکرمؐ کی سنت انکے واسطے ہم تک پہنچی ہے۔

لیکن اس بات کا جواب بالکل واضح ہے کیونکہ کوئی بھی مسلمان معاذ اللہ تمام اصحاب کو ثقہ اور کافی نہیں کہتا ہے کیونکہ انکے درمیان ثقہ اور موردِ اطمینان افراد کثرت کے ساتھ

جس کو دلیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے مندرجہ ذیل آیت ہے:

"وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ  
الْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ  
عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي  
تحتها الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ" (۱)

مہاجرین اور انصار میں سے سبت کرنے والے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ اکی  
بیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے  
انکے لئے باغات تیار کر رکھے ہیں جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہ ہمیشہ ان میں  
رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اہلسنت کے بہت سے مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں (بعض صحابہ اور پیغمبر اکرم  
سے حدیث) نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ "جميع اصحاب رسول الله في الجنة  
مؤمنين و فسيهم" اس حدیث میں مذکور وہ بالا آیت سے استناد کیا گیا ہے۔ (۲)

دلچسپ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت کہتی ہے کہ تابعین اس صورت میں اہل نجات ہیں جب  
نیکیوں میں صحابہ کی پیروی کریں (نہ برائیوں میں) اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ صحابہ کے لیے  
بہشت کی ضمانت دی گئی ہے۔ کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ گناہوں میں آزاد ہیں؟!

جو پیغمبر، لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے آیا ہے کیا ممکن ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو  
استثناء کر دے اور ان کے گناہوں سے چشم پوشی کرے۔ حالانکہ قرآن مجید، ازواج رسول  
کے بارے میں فرماتا ہے کہ جو سب سے نزدیک صحابہ تھیں، اگر تم نے گناہ کیا تو تمہاری سزا دو

موجود تھے۔ اور انبیاء کے مقام و منزلت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

۳۔ اگر اصحاب کے اعمال پر جرح و تنقید کا سلسلہ شروع ہو جائے تو بعض خلفاء راشدین  
کی شخصیت پر حرف آتا ہے۔ اس لئے ان کے تقدس کی حفاظت کیلئے صحابہ کی قداست پر  
تاکید کرنا چاہئے تاکہ کوئی شخص مثلاً حضرت عثمان کے ان کاموں پر اعتراض نہ کرے جو بہت  
الہام کے بارے میں اور اس کے علاوہ ان کے دور حکومت میں وقوع پذیر ہوئے اور یہ نہ کہ  
کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔

یہاں تک کہ اس قداست کے قالب میں معاویہ اور اس کے اقدامات جیسے کہ اس نے  
خلیفہ رسول حضرت علیؓ کی مخالفت کی اور ان کے ساتھ جنگیں کیں اور مسلمانوں کے قتل عام  
کا موجب بنا، کی توجیہ کی جاسکے، اور اس ہتھیار کے ذریعے ایسے افراد کو تنقید سے بچا  
جاسکے۔ البتہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قداست والے مسئلہ کی بنیاد ابتدائی صدیوں کے  
سیاستدانوں نے رکھی۔ جسطرح انہوں نے کلمہ "اولی الامر" کی تفسیر، "حاکم وقت" کی تاکہ  
نوامیہ اور بنو عباس کے ظالم حکام کی اطاعت کو بھی ثابت کیا جاسکے نیز یہ حکام کا سیاسی پروگرام  
اور لائحہ عمل تھا۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ ایسی باتوں سے ان کا مقصد سب صحابہ کو بچانا نہ تھا بلکہ  
اپنے موروثی افراد کی حمایت مقصود تھی۔

۴۔ بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اصحاب کے تقدس کا عقیدہ قرآن مجید اور سنت نبوی  
کے فرمان کے مطابق ہے کیونکہ قرآن مجید کی بعض آیات اور بعض احادیث میں یہ مسئلہ بیان  
کیا گیا ہے۔

اگرچہ یہ بہترین توجیہ ہے لیکن جب ہم اذکار کی تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان  
آیات و روایات میں جس چیز کو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں موجود نہیں ہے۔ سب سے اہم آیت

(۱) سورہ قیامت ۱۰۰۔

(۲) تفسیر کبیر، ترمذی و تفسیر الترمذی، آیت مذکورہ۔

(۱) برابر ہے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اگر اس آیت میں کسی قسم کا ابہام بھی ہو تو اسے سورۃ فتح کی آیت نمبر ۲۹ رفع کر دیتی ہے کیونکہ یہ آیت پیغمبر اکرمؐ کے سچے اصحاب کی صفات بیان کر رہی ہے۔

”اَشْدَاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُحَمَاءَ مُنْجِدًا يَنْبَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا مِمَّا هُمْ فِي وَجْهِهِمْ مِنْ أَكْبَرِ الْمُنْجُونَ“

یہ لوگ کفار کے مقابلے میں شدید اور زبردست ہیں اور آپس میں مہربان ہیں انہیں ہمیشہ کو دم بخود کی حالت میں دیکھو گے اس حال میں کہ مسلسل فضل و رضائے خدا کو طلب کرتے ہیں۔ مجاہد کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔“

جنہوں نے جمل و صفین جیسی جنگوں کی آگ بھڑکائی اور امام وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرایا۔ کیا وہ ان سات صفات کے مصداق تھے؟ کیا وہ آپس میں مہربان تھے؟ کیا انکے عمل کی شدت کفار کے مقابلے میں تھی یا مسلمانوں کے مقابلے میں؟

اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کے ذیل میں ایک جملہ ارشاد فرمایا ہے جو مقصود کو مزید روشن کرتا ہے

”وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا“ (۲)

اللہ تعالیٰ نے (ان اصحاب میں سے) جو ایمان لائے اور اعمال صالح انجام دیتے

رہے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ دیا ہے۔

پس واضح ہو گیا کہ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو با ایمان اور اعمال صالح انجام دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے جنگ جمل میں مسلمانوں کو قتل کیا اور اس جیسی جنگوں کو بھڑکایا اور حضرت عثمان کے دور میں بیت المال کو ہڑپ کیا وہ کیا اعمال صالح انجام دینے والے تھے؟

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم پیغمبروں کا ایک ترک اولیٰ کی خاطر اخذ کیا ہے۔ حضرت آدمؑ کو ایک ترک اولیٰ کی خاطر بہشت سے نکال دیا۔ حضرت یونسؑ کو ایک ترک اولیٰ کی خاطر ایک عرصہ مچھلی کے پیٹ میں، تین اندھیروں میں بند رکھا۔ حضرت نوحؑ کو اپنے گناہ گار بیٹے کی سفارش پر تنبیہ فرمائی۔ توباب کیا یہ یقین کرنے کی بات ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ اس قانون سے مستثنیٰ ہوں۔

۶۔ کیا تمام اصحاب بغیر استثناء کے عادل تھے؟

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اکثر برادران اہلسنت اسی بات کے قائل ہیں کہ تمام صحابہ یعنی جو پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں تھے یا جنہوں نے آپؐ کے زمانے کو پویا اور کچھ عرصہ تک آپؐ کے ساتھ رہے ہیں بغیر کسی استثناء کے مقام عدالت پر فائز تھے اور قرآن مجید اسی بات کی گواہی دیتا ہے۔

مقام افسوس یہ ہے کہ ان بھائیوں نے قرآن کی کچھ آیات کو جو ان کے نفع میں تھیں قبول کر لیا ہے لیکن دوسری آیات سے انہوں نے چشم پوشی کی ہے ان آیات سے جن میں اس

پیشکش پروردگار پیغمبر اکرمؐ کی وجہ سے تھی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عادل تھے اور انہوں نے گناہ نہیں کیا۔ بلکہ صراحت کے ساتھ قرآن مجید فرما رہا ہے کہ انہوں نے معصیت و گناہ کیے۔

یہ کیسی عدالت ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ حجرات کی آیہ نمبر ۶ میں بعض کو فاسق کے عنوان سے یاد کر رہا ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَامِيقٌ بَنِي قُتَيْبٍ  
أَن تَضَيَّبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْلِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ  
لَذَلِيلٌ“

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں تم لوگ کسی کو نقصان پہنچاؤ گے اور پھر بعد میں اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ یہ آیت ”ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اسے ایک جماعت کے ساتھ ”بنی المصطلق“ قبیلہ کے پاس زکات کی جمع آوری کے لیے بھیجا۔ واپسی پر ولید نے کہا کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے اور اسلام کے خلاف انہوں نے قیام کر لیا ہے مسلمانوں کے ایک گروہ نے ولید کی بات پر یقین کر لیا اور اس قبیلہ کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن سورۃ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو خبردار کیا کہ اگر ایک فاسق آدمی خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بھولی خبر کی وجہ سے تم کسی قبیلہ کو نقصان پہنچاؤ اور پھر بعد میں اپنے کیے پر

بات سے استثناء موجود ہے (جیسا کہ واضح ہے کہ ہر عہد کے لئے عام طور پر استثناء موجود ہوتا ہے)۔

ہم عرض کریں گے:

کہ یہ کیسی عدالت ہے جس کے خلاف قرآن مجید نے بار بار گواہی دی ہے۔ من جملہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۵۵ میں یوں بیان ہوا ہے۔

”إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ  
إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا  
اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ خَلِيمٌ“

اس آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو جنگ احد کے دن فرار کر گئے اور پیغمبر اکرمؐ کو دشمن کے مقابلہ میں تنہا چھوڑ گئے تھے۔ آیت فرماتی ہے ”جو لوگ دو لشکروں کے درمیان ہونے والے دن (یعنی جنگ احد میں) فرار کر گئے تھے۔ شیطان نے انہیں انکے بعض گناہوں کی وجہ سے بہکا لیا اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا چونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے۔“

اس آیت سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اس دن ایک گروہ فرار کر گیا تھا اور تاریخ میں اس گروہ کی تعداد بہت زیادہ ذکر کی گئی ہے اور دلچسپ یہ ہے کہ قرآن مجید کہتا ہے شیطان نے ان پر غلبہ کیا اور یہ غلبہ انکے اُن گناہوں کی وجہ سے تھا جس کے وہ پہلے مرتکب ہو چکے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ سابقہ گناہ ایک بڑے گناہ یعنی غزوہ سے فرار اور میدان اور دشمن سے پشت کر کے فرار کرنے کا موجب بنے۔ اگرچہ آیت کا ذیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا۔

پیشیان ہو۔

اتفاقاً تحقیق کے بعد واضح ہوا کہ بنی المصطلق قبیلہ کے لوگ مؤمن ہیں اور ولید کے استقبال کے لیے باہر آئے تھے نہ اسلام اور اس کے خلاف قیام کرنے کے لیے لیکن چونکہ ولید ان کے ساتھ سابقہ (قبل از اسلام) دشمنی رکھتا تھا اسی امر کا بہانہ بنا کر واپس چلا آیا اور غلط خبر پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔ ولید صحابی پیغمبرؐ تھا۔ یعنی اُن افراد میں سے تھا جنہوں نے پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کو پایا اور آپؐ کی خدمت میں رہے۔ جبکہ قرآن مجید اس آیت میں اُسے فاسق بتا رہا ہے۔ کیا یہ آیت تمام اصحاب کی عدالت والے نظریہ کے ساتھ سازگار ہے؟

یہ کیسی عدالت ہے کہ بعض اصحاب زکاۃ کی تقسیم کے وقت پیغمبر اکرمؐ پر اعتراض کرتے ہیں۔ قرآن مجید ان کے اعتراض کو سورہ توبہ آیہ ۵۸ میں نقل فرماتا ہے:

"وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا أُولَٰئِكَ يُحْذَرُونَ"

"ان کے درمیان ایسے لوگ بھی ہیں جو فتانم کی تقسیم میں آپؐ پر اعتراض کرتے ہیں اگر انہیں اس میں سے عطا کیا جائے تو راضی ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو غصے میں رہتے ہیں" کیا اس قسم کے افراد عادل ہیں؟

یہ کیسی عدالت ہے کہ قرآن مجید سورہ احزاب کی آیت نمبر ۱۲ اور ۱۳ میں جنگ احزاب کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ بعض منافقین اور بیمار دل لوگ جو پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں تھے اور انہوں نے جنگ میں شرکت کی لیکن پیغمبر اکرمؐ پر فریب کاری کی تہمت لگائی۔

"مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا" خدا اور رسولؐ نے ہمیں صرف اور صرف جھوٹے وعدے دیے ہیں ان میں سے بعض یہ خیال رکھتے تھے کہ اس جنگ میں پیغمبر اکرمؐ کو شکست ہوگی اور احتمالاً وہ قتل ہو جائیں گے اور اسلام کی بساط پلٹ جائیگی۔

یا ان روایات کے مطابق جنہیں شیعہ وسنی نے نقل کیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خندق کھودنے کے دوران ایک پتھر ملا جسے آپؐ نے توڑا اور مسلمانوں کو شام، ایران اور یمن کی فتح کا وعدہ دیا تو ایک گروہ نے آنحضرتؐ کی اس بات کا مذاق اڑایا۔

کیا یہ اصحاب نہیں تھے؟ اور اس سے زیادہ عجیب بات کو بعد والی آیت بیان کر رہی ہے کہ "ان میں سے ایک گروہ نے (مدینہ کے بعض لوگوں کو کہ جو جنگ میں حاضر ہوئے تھے مقابلہ کر کے) کہا یہ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ" "وَإِذْ ثَلَاثُ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا"

اور پھر ایک گروہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور میدان احزاب سے فرار کرنے کے بہانے بنائے لگا۔ اسی آیت میں یوں ارشاد ہے "وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنَّ يُرِيدُونَ الْإِفْرَادَ" ان میں سے ایک گروہ پیغمبر اکرمؐ سے واپسی کی اجازت مانگتا تھا اور کہتا تھا کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں لہذا ہمیں اجازت دیجئے تاکہ اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے واپس مدینہ چلے جائیں۔ یہ لوگ جھوٹ بول رہے تھے ان کے گھر اکیلے نہیں تھے۔ یہ صرف فرار کا بہانہ تلاش کر رہے تھے" اب خود ہی فیصلہ کیجئے ہم کیسے ان تمام امور سے چشم پوشی کر لیں اور ان پر تنقید کو جائز نہ سمجھیں؟

پیغمبر اکرمؐ کی طرف اس قسم کی ناروا نسبتیں دینے کے باوجود کیا عدالت باقی رہتی ہے؟ اگر ہم اپنے وجدان کے ساتھ قضاوت کریں تو کیا قبول کریں گے کہ اس قسم کے افراد عادل اور پاک و پاکیزہ تھے اور کسی کو انکے ایسے کاموں پر تنقید کرنے کا حق نہیں ہے؟

ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے اکثر اصحاب و یاران با تقویٰ اور پاکیزہ انسان تھے۔ لیکن سب کے لیے ایک ہی حکم لگا دینا اور سب پر تقویٰ اور عدالت کی قلعی چڑھا دینا اور ان پر کسی قسم کی تنقید کرنے کا حق سلب کر دینا ایک انتہائی عجیب بات ہے۔

یہ کیسی عدالت ہے کہ ایک انسان جو ظاہراً پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب میں سے ہے (ہمارا مقصود و معاد یہ ہے) نبی اکرمؐ کے با عظمت صحابی حضرت علیؑ پر سال ہا سال سب و لعن کرتا ہے اور تمام شہروں میں سب کو اس کا حکم دیتا ہے۔

ان دو احادیث کی طرف توجہ فرمائیے:

اصحیٰ مسلم میں کہ جو اہلسنت کی معتبر ترین کتاب ہے یوں بیان ہوا ہے۔

”کہ معاویہؓ نے“ سعد بن ابی وقاصؓ سے کہا کہ کیوں ابوتراب (علی ابن ابی طالب) پر سب و لعن سے پرہیز کرتے ہو؟ اس نے کہا میں نے پیغمبر اکرمؐ سے ان کے بارے میں تین فضائل ایسے سنے ہیں کہ اگر وہ میرے بارے میں ہوتے تو میرے لیے دنیا کی عظیم دولت سے زیادہ اہمیت رکھتے۔ اس لیے میں ان پر سب و شتم نہیں کرتا ہوں۔ (۱)

(۱) صحیح مسلم، جلد ۱ ص ۱۸۷، کتاب فضائل اصحاب اور اسی طرح کتاب فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ۱ ص ۶۷  
میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے (وہ تین فضائل یہ ہیں: ۱۔ حدیث منزلت، ۲۔ حدیث الامطن، ۳۔ حدیث غزوہ بدر)۔  
(مجلد)۔

ان سب سے بدتر بعض اصحاب کا پیغمبر اکرمؐ کی طرف خیانت کی نسبت دینا ہے اور قرآن مجید نے سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۱ میں اسے منع فرمایا ہے ”وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلُّ وَ مَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ“

”ممکن نہیں ہے کہ کوئی نبی خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا قیامت کے دن جس قسم کی خیانت کی ہوگی اسے اپنے ساتھ دیکھے گا۔ پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا۔ اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائیگا“ یعنی اگر سزا ملے گی تو انکے اپنے اعمال کا میجہ ہوگی۔

اس آیت کی دو حان نزول بیان کی گئی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت ”عبداللہ بن جبیر“ کے دوستوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ جنگ اُحد میں ”عینین“ نامی مورچہ میں تھے۔ اور جب جنگ کی ابتداء میں اسلام کا لشکر دشمن پر فتح پا گیا تو عبداللہ کے ہمراہ تیر انداز تھے حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ تمہیں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرنی جبکہ اس گروہ نے اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور غنائم لوٹنے کے پیچھے دوڑ پڑے۔ اس سے بھی نہ اعلیٰ انکی باتیں تھیں کہ کہتے تھے کہ ہمیں خطرہ ہے کہیں رسول اللہؐ ہمارا حق ہمیں نہ دیں (اور اس قسم کے جملے کہے جنہیں لکھنے سے قلم شرم محسوس کرتی ہے)۔

”ابن کثیر“ اور ”طبری“ نے اسی آیت کے ذیل میں اپنی تفسیر میں ایک اور شان نزول کو ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ جنگ بدر میں کامیابی کے بعد ایک سرخ رنگ کا قیمتی کپڑا گم ہو گیا۔ بعض کم عقل لوگوں نے رسول اللہؐ کو خیانت سے متہم کیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ کپڑا مل گیا اور معلوم ہوا کہ لشکر میں موجود قذاں شخص نے اٹھایا تھا۔

سپا اس قسم کے نمے کام عدالت کے ساتھ سازگار ہیں؟ کیا کوئی عاقل یا عادل انسان یہ جرات کر سکتا ہے کہ حضرت علیؓ جیسی با عظمت شخصیت کو اس شرمناک انداز اور اسنے وسیع جانے پر گالیاں دے۔

ایک عرب شاعریوں کہتا ہے:

اعلیٰ المناہر تعلقون بسیدہ و بسیفہ نصبت لکم اعداھا!  
کیا منبر سے اس شخصیت پر لعن کرتے ہو جس کی تلوار کی برکت سے یہ منبر قائم ہوئے ہیں۔

## ۷۔ اصحاب پیغمبرؐ کی اقسام:

رسولؐ کے اصحاب کو۔ قرآن مجید کی گواہی کے مطابق۔ پانچ اصلی گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ پاک و صالح: یہ افراد مؤمن اور با اخلاص تھے۔ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں نفوذ کر چکا تھا۔ یہ لوگ راہ خدا میں اور کلمہ اسلام کی بلندی کے لیے کسی قسم کے ایثار اور قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ یہ وہی گروہ ہے جس کی طرف سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں اشارہ ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے الطاف پر راضی تھے۔ "رضی اللہ عنہم و رضو عنہ"

۲۔ مؤمن خطا کار: یہ وہ گروہ ہے جو ایمان اور عمل صالح رکھنے کے باوجود کبھی کبھار لغزش کا شکار ہو جاتے تھے اور اعمال صالح اور غیر صالح کو آپس میں مخلوط کر دیتے تھے۔

اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے۔ ان کے غنود بخشش کی امید ہے جیسا کہ سورہ توبہ

۲۔ کتاب "العقد الفرید" میں کہ جسے اہلسنت کے بزرگ عالم دین (ابن عبد الوہاب اندلسی) نے تالیف کیا ہے یوں بیان ہوا ہے کہ جب امام حسن ابن علیؓ علیہما السلام کی شہادت ہوئی، اس کے بعد معاویہؓ مکتہ کے بعد مدینہ آیا اس کا ارادہ تھا کہ مدینہ میں منبر رسولؐ سے حضرت علیؓ کے سب و لعن کرے۔ لوگوں نے کہا کہ "سعد بن ابی وقاص" بھی مسجد میں ہے اور ہمارے خیال کے مطابق وہ تیری اس بات کو تحمل نہیں کریگا اور شدید رد عمل کا اظہار کرے گا لہذا کسی کو اس کے پاس بھیج کر اس کی نظر معلوم کر لو۔

معاویہؓ نے ایک آدمی کو سعد کے پاس بھیجا اور اس مطلب کے بارے میں استفسار کیا سعد نے جواب میں کہا کہ اگر معاویہؓ نے یہ کام کیا تو میں رسولؐ کی مسجد سے باہر چلا جاؤں گا اور پھر کبھی بھی مسجد نبویؐ میں داخل نہیں ہوں گا۔

معاویہؓ نے یہ پیغام اور رد عمل سننے کے بعد سب و شتم سے پرہیز کیا۔ یہاں تک کہ سعد فوت ہو گئے۔ سعد کی وفات کے بعد معاویہؓ نے منبر سے حضرت علیؓ پر لعنت کی اور اپنے تمام اہلکاروں کو حکم دیا کہ منبروں سے حضرت پر لعن و سب کریں۔ ان سب نے بھی یہی کام کیا۔ اس بات کا جب جناب ام سلمہؓ زوجہ پیغمبرؐ کو پتہ چلا تو انہوں نے معاویہؓ کے نام ایک خط میں یوں لکھا کہ "تم کیوں منبروں سے خدا اور رسولؐ پر سب و لعن کرتے ہو! کیا تم یوں نہیں کہتے ہو کہ علیؓ اور اسکے چاہنے والوں اور محبت کرنے والوں پر لعنت، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ، حضرت علیؓ سے محبت کرتا ہے اور رسولؐ ابھی حضرت علیؓ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ پس حقیقت میں تم خدا اور رسولؐ پر سب و لعن کرتے ہو" معاویہؓ نے جناب ام سلمہؓ کا خط پڑھا لیکن اس کی کوئی پرواہ نہ کی (۱)

(۱) العقد الفرید، جلد ۳ ص ۳۶۶، جواہر المطالب فی مناقب الامام علیؓ ابن ابی طالب، جلد ۲ ص ۳۲۸ تالیف محمد حناہ

کی آیت ۱۰۲ میں پہلے گروہ کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کا تذکرہ کیا ہے۔  
 "وَأَخْرَجُوا عَنْكُمْ أَصْحَابَهُمْ فَجُلِدُوا وَالْأُخْرَىٰ سَاءَ لِمَنْ يَكْفُرْ"  
 "وَأَخْرَجُوا عَنْكُمْ أَصْحَابَهُمْ فَجُلِدُوا وَالْأُخْرَىٰ سَاءَ لِمَنْ يَكْفُرْ"  
 "وَأَخْرَجُوا عَنْكُمْ أَصْحَابَهُمْ فَجُلِدُوا وَالْأُخْرَىٰ سَاءَ لِمَنْ يَكْفُرْ"

۳۔ گناہگار افراد: یہ وہ گروہ ہے جس کے لیے قرآن مجید نے فاسق کا نام انتخاب کیا ہے۔ کہ اگر فاسق تمہارے لئے خبر لائے تو بغیر تحقیق کے قبول نہ کرنا۔ سورہ حجرات کی آیت نمبر ۶ میں اس مطلب کی طرف اشارہ ہوا ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا" اس آیت کا مصداق شیعہ و سنی تفاسیر میں ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ ظاہری مسلمان: یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے لیکن ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا تھا۔ سورہ حجرات کی چودھویں آیت میں اس گروہ کی طرف اشارہ ہوا ہے "قَالَ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ"

۵۔ منافقین: یہ وہ گروہ ہے جو روح نفاق کے ساتھ مسلمانوں کے درمیان چھپے ہوئے تھے کبھی ان کی شناخت ہو جاتی اور کبھی نہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ اسلام اور مسلمین کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکانے سے باز نہیں رہتے تھے۔ سورہ توبہ میں ہی مؤمن و صالح گروہ کی طرف اشارہ کے بعد آیت ۱۰ میں ان منافقین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

"وَمِنْ حَوْلِكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا وَغُلَاوِ السَّيْئَاتِ" بے شک ان تمام گروہوں نے پیغمبر اکرم کا دیدار کیا تھا اور آنحضرت کے ساتھ مصاحبت اور معاشرت رکھتے تھے۔ اور ان میں سے بہت ساروں نے غزووں میں شرکت کی

تھی۔ اور ہم صحابہ کی جو تعریف بھی کریں ان پانچوں گروہوں پر صادق آتی ہے کیا سب کو اہل بہشت اور پاکیزہ شمار کیا جاسکتا ہے؟ کیا قرآن مجید کی صراحت کے بعد یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم راہ اعتدال کو اپنائیں اور اصحاب کو قرآن مجید میں بیان شدہ پانچ گروہوں میں تقسیم کریں اور ان میں سے نیک، باتقویٰ اصحاب کے لیے انتہائی احترام کے قائل ہوں اور دیگر گروہوں میں سے ہر ایک کو ان کے مقام پر رکھیں۔ اور غلو، افراط اور تعصب سے پرہیز کریں۔ (اور انصاف کے ساتھ قضاوت کریں)

۸۔ تاریخی گواہی: تمام اصحاب کی قد است کے عقیدے نے اس کے طرفداروں کے لئے بہت سی مشکلات ایجاد کی ہیں۔ ان عظیم مشکلات میں سے ایک تاریخی حقائق ہیں۔ کیونکہ انکی معروف اور مورد اعتماد تاریخی کتب میں حتی صحاح سے کی احادیث میں بعض صحابہ کی شہید لڑائی اور جنگ کے تذکرے ہیں ایسی صورت حال میں ہم فریقین کو عادل، صالح اور مقدس شمار نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ یہ کام ضدین کے درمیان جمع کرنا ہے اور ضدین کے درمیان جمع نہ ہو سکتا ایک واضح عقلی فیصلہ ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔

جنگ جمل اور صفین کے علاوہ کہ جو طلحہ، زبیر اور معاویہ نے امام المسلمین حضرت علیؑ کے مقابلہ میں لڑیں اگر ہم حقائق سے چشم پوشی نہ کریں تو حتماً جنگ بھڑکانے والوں کی غلطیوں اور جتنا جوں کا اعتراف کریں گے۔ اور اس سلسلہ میں بہت سے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ اس مختصر کتاب میں ہم صرف تین نمونوں پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ امام بخاری اپنی کتاب صحیح میں کتاب التفسیر میں مسئلہ الک کے بارے میں (زوجہ پیغمبر کے بارے میں جو تہمت لگائی گئی تھی) لکھتے ہیں: کہ ایک دن پیغمبر اکرمؐ منبر پر تشریف

لے گئے اور فرمایا اے مسلمانوں! کوں اس شخص کو مزادے گا (مقصود عبداللہ بن سلول تھا جو منافقین کا ایک سرغنہ تھا) مجھے بتایا گیا ہے کہ اس نے میری بیوی پر تہمت لگائی ہے حالانکہ میں نے اپنی بیوی میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی..... سعد بن معاذ انصاری (مشہور صحابی) اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی، میں اس کو سزا دوں گا اگر یہ "اوس" قبیلہ سے ہوا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر یہ خزرج قبیلہ سے ہوا تو جو حکم آپ صادر فرمائیں گے ہم انجام دیں گے۔ سعد بن عبادہ، خزرج قبیلہ کا سردار کہ جو اس سے پہلے صالح آدمی تھا قبائلی تعصب کی وجہ سے سعد بن معاذ کو کہنے لگا خدا کی قسم تو جھوٹ بول رہا ہے تیری اتنی جرأت نہیں ہے کہ تو یہ کام کر سکے اسید بن خثیر (سعد بن معاذ کا چچا زاد) کہنے لگا کہ خدا کی قسم تو جھوٹا ہے یہ شخص منافقین میں سے ہے ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ نزدیک تھا کہ قبیلہ "اوس" و خزرج کی آپس میں جنگ چھڑ جائے۔ رسول خداؐ نے انہیں خاموش کر لیا (۱) کیا یہ سب افراد صالح صحابی تھے؟

۲: معروف دانشمند "بلاذری" اپنی کتاب "الانساب" میں لکھتے ہیں کہ "سعد بن ابی وقاص" کوفہ کے والی تھے، حضرت عثمان نے انہیں معزول کر دیا اور "ولید بن عقبہ" کو الکی جگہ گورنر بنا دیا۔ عبداللہ بن مسعود اس دوران بیت المال کے خزانہ دار تھے جب ولید، کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے عبداللہ ابن مسعود سے بیت المال کی چابیاں طلب کیں۔ عبداللہ نے چابیاں ولید کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا کہ خلیفہ نے سب (رسول) کو تبدیل کر دیا ہے۔ سعد بن ابی وقاص جیسے آدمی کو معزول کر کے ولید جیسے آدمی کو اپنا جانشین منتخب کر لیا ہے؟ ولید نے حضرت عثمان کو خط میں لکھا کہ عبداللہ بن مسعود آپ پر تنقید کرتا ہے خلیفہ نے جواب لکھا

کراے حکومت کی نگرانی میں میرے پاس بھیج دیا جائے۔ جب عبداللہ بن مسعود مدینہ میں وارد ہوا تو خلیفہ منبر پر تھے جیسے ہی انکی نظر عبداللہ بن مسعود پر پڑی تو کہنے لگے بُرا جانور داخل ہو گیا ہے (اور بہت سی گالیاں دیں قلم جنہیں لکھنے سے شرم محسوس کرتا ہے) عبداللہ بن مسعود کہنے لگے میں ایسا نہیں ہوں، میں رسول خداؐ کا صحابی ہوں۔ جنگ بدر اور بیعت رضوان میں شریک تھا۔

حضرت عائشہ، عبداللہ کی حمایت کے لیے انھیں لیکن حضرت عثمان کا غلام، عبداللہ کو مسجد سے باہر لے گیا اور انہیں زمین پر بٹھا اور انکی پسلیاں توڑ دیں (۱)

۳: بلاذری اپنی اسی کتاب انساب الاشراف میں نقل کرتے ہیں کہ مدینہ کے بیت المال میں بعض جواہرات اور زیورات تھے حضرت عثمان نے ان میں سے کچھ زیورات اپنے گھر والوں کو بخش دیئے۔ جب لوگوں نے دیکھا تو کھلے عام اعتراض شروع کر دیا اور انکے بارے میں سخت گفتگیاں تیں کہیں حضرت عثمان کو فہصا گیا اور وہ منبر پر گئے اور خطبہ کے دوران کہا ہم غلام میں سے اپنی ضرورت کے مطابق اٹھائیں گے! اگرچہ لوگوں کی ناک زمین پر رگڑی جائے!!

اس پر حضرت علیؑ نے کہا کہ "مسلمان خود جہار راراستہ روک لیں گے!"

جواب دیا میرے کہا: سب سے پہلے میری ناک زمین پر رگڑی جائے گی!

(اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میں تنقید سے باز نہیں آؤں گا)

حضرت عثمان کو فہصا گیا اور کہنے لگے تو نے میری شان میں گستاخی کی ہے۔ اس کو گرفتار

اس مقام پر پھر تکرار کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے اصحاب میں مؤمن، صالح اور پارسا افراد بہت سے تھے لیکن کچھ ایسے افراد بھی تھے جنکے کاموں پر تنقید کرنا چاہیے اور انکی تحلیل کرتے ہوئے انہیں عقل کے ترازدور تو لانا چاہیے اور اس کے بعد انکے بارے میں حکم لگانا چاہیے۔

## ۹۔ پیغمبرؐ کے زمانے میں یا اس کے بعد بعض صحابہ پر حد کا جاری ہونا!

صحابہؓ یا برادران الہلسنت کی دیگر معروف کتابوں میں کچھ موارد ایسے دیکھنے کو ملتے ہیں جن میں بعض اصحابؓ رسول اللہؐ کے زمانے میں یا اس کے بعد ایسے گناہوں کے مرتکب ہوئے جن کی حد مقرر تھی۔ لہذا ان پر حد جاری کی گئی۔

کیا اس کے باوجود آپؐ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب عادل تھے؟ اور ان سے کوئی غلطی نہیں ہوئی؟ یہ بھی مدالت ہے کہ ایسا گناہ کیا جائے جس پر حد جاری ہوتی ہو اور ان پر حد جاری ہونے کے بعد بھی مدالت اپنی جگہ محکم باقی رہتی ہے؟

ہم ذیل میں نمونہ کے طور پر چند موارد کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف) ”نعیمان“ صحابی نے شراب پی، پیغمبر اکرمؐ نے حکم صادر فرمایا اور اسے تازیانے مارے گئے (۱)

ب) ”بنی اسلم“ قبیلہ کے ایک مرد نے زنائے محضن کیا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ کے حکم پر اسے سنگسار کر دیا گیا (۲)

(۱) صحیح بخاری، جلد ۱۳، حدیث نمبر ۶۷۷۷، کتاب الخمر۔  
(۲) صحیح بخاری، جلد ۱۳، حدیث نمبر ۶۸۲۰۔

کر لو۔ لوگوں نے جناب عمار کو پکڑ لیا اور عثمان کے گھر لے گئے وہاں انہیں استقر ملا دیا گیا اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد انہیں جناب ام سلمہ (زوجہ پیغمبرؐ) کے گھر لایا گیا وہ اس وقت بے ہوشی کے عالم میں تھے یہاں تک کہ انکی نلہر، عصر اور مغرب کی نماز قضاء ہو گئی۔ جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے وضو کر کے نماز ادا کی اور کہنے لگے یہ پہلی بار نہیں ہے کہ میں خدا کی خاطر اذیت و آزار پہنچائی جا رہی ہے۔ (۱) (ان واقعات کی طرف اشارہ تھا جنکا لفظ جاہلیت میں کفار کی طرف سے انہیں سامنا کرنا پڑا تھا)۔

ہم ہرگز مائل نہیں ہیں کہ تاریخ اسلام کے اس قسم کے ناگوار حوادث کو نقل کریں (ترجمہ آزرہ شوی ورنہ بخن بسیار است!) اگر ہمارے بھائی تمام صحابہؓ اور انکے تمام کاموں کے تقدس پر اصرار نہ کرتے تو شاید اتنی مقدار کے قتل کرنے میں بھی مصلحت نہیں تھی۔ اب یہ سوال یہ ہے کہ اصحاب رسولؐ میں سے تین پاکیزہ ترین افراد (سعد بن معاذ، عبداللہ ابن مسعود، عمار یا سر) کو گالیاں دینے اور مارنے پھینکے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ایک با عظمت صحابی کو آغا مارا جائے کے انکی پٹیلیاں نوٹ جائیں اور دوسرے کو اتنا مارا جائے کہ بے ہوش ہو جائے اور اس کی نمازیں قضا ہو جائیں۔

کیا یہ تاریخی شواہد کہ جنکے نمونے بہت زیادہ ہیں ہمیں اجازت دیتے ہیں کہ ہم حقائق سے چشم پوشی کریں اور کہیں کہ تمام اصحاب اچھے اور انکے تمام کام صحیح تھے۔ اور ایک چارہا صحابہؓ کے نام سے بنا دیں اور انکے تمام کاموں کا بلا شرط و دفاع کریں۔

کیا کوئی بھی مصلحت اس قسم کے افکار کو پسند کرتا ہے؟

کیا بیت المال کو ہڑپ کرنے کے بارے میں ایک معمولی سی تنقید اور سادہ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مقابلے میں ایک مؤمن صحابی کو اتنا مارنا کہ وہ بے ہوش اور اس کی نماز پر اتنا ہوجائیں، اجتہاد ہے؟ کیا ایک اور مشہور صحابی کی پسلیاں توڑ دینا صرف اس اعتراض کی خاطر جو اس نے کیا کہ کیوں ایک شرابی (ولید) کو کوفہ کا حاکم تعین کیا گیا ہے، اجتہاد شمار ہوتا ہے؟

اس سے بڑھ کر امام المسلمین کے مقابلے میں کہ جو مقامات الہی کے ساتھ ساتھ تمام مسلمانوں کے منتخب کردہ اتفاقی خلیفہ تھے، صرف جاہ طلبی اور حکومت حاصل کرنے کی خاطر جنگ کی آگ بھڑکانا جس میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہہ جائے، اجتہاد شمار ہوتا ہے؟ اگر یہ موارد اور ان کی مثل، اجتہاد کی شاخیں شمار ہوتی ہیں تو پھر طول تاریخ میں ہونے والی تمام جتایات کی یہی توجیہ کی جاسکتی ہے۔

اس کے علاوہ کیا اجتہاد صرف اصحاب میں منحصر تھا یا کم از کم چند صدیوں بعد بھی امت اسلامی میں کثرت کے ساتھ مجتہد موجود تھے بلکہ بعض علمائے اہلسنت کے اعتراف اور تمام علمائے شیعہ کے مطابق آج بھی تمام آگاہ علماء کے لئے اجتہاد کا دور ازہ کھلا ہے؟ جو افراد اس قسم کے بھیانک افعال انجام دیں کیا آپ انکے افعال کی توجیہ بہ کرنے کو حاضر ہیں؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔

۲: کبھی کہا جاتا ہے کہ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ انکے بارے میں سکوت اختیار کریں۔

"لَنْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَّتْ لَهَا مَا كُنْتُمْ وَلَكُمْ مَا كُنْتُمْ وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا سَمِعُوا يَغْفُلُونَ" (۱)

(۱) تفسیر قرآن، ج ۱، ص ۱۳۳۔

ج) واقعہ انک میں پیغمبر اکرمؐ کے حکم پر چند افراد پر حد قذف جاری کی گئی تھی (۱)  
د) پیغمبر اکرمؐ کے بعد عبدالرحمن بن عمر اور عقبہ بن حارث بدری نے شراب پی اور مصر کے امیر عمر ابن عامر نے ان پر حد شرعی جاری کی۔ اس کے بعد عمر نے دوبارہ اپنے بیٹے کو بلایا اور دوبارہ اس پر حد جاری کی (۲)

و) ولید بن عقبہ کا واقعہ مشہور ہے کہ اس نے شراب پی اور مسیحی کے عالم میں مسیح کی لڑ چار رکعت پڑھادی۔ اُسے مدینہ حاضر کر کے شراب کی حد اس پر جاری کی گئی۔ (۳)  
ان کے علاوہ اور بہت سے موارد ہیں، مصلحت کی خاطر جن کے ذکر سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود کیا اب بھی ہم حقائق کے سامنے آنکھیں اور کان بند کر لیں اور کہیں کہ سب اصحاب عادل تھے؟!

ع

## ۱۰۔ نادرست توجیہات

۱۔ حزیہ اور ہر لحاظ سے تقدس کے نظریہ کے طرفدار جب متضاد حالات کے انہدے رو برو ہوتے ہیں تو اپنے آپ کو اس توجیہ کے ساتھ قانع کرتے ہیں کہ سب صحابہ "مجتہد" تھے اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا۔ لہذا یہ توجیہ اور وجدان کو فریب دینا ہے کہ برادران اس قسم کے آشکارا اختلافات میں اس بوس توجیہ کا سہارا لیں۔

(۱) التلمیح الکبیر، جلد ۲۳، ص ۱۲۸، کتب دیگر۔

(۲) السنن الکبریٰ، جلد ۸، ص ۱۳۱۲، در بہت سی کتب۔

(۳) مجمع مسلم، جلد ۱، ص ۱۴۶، ص ۱۴۷، ص ۱۴۸۔

ہدایت صحابہ

وہ ایک انتہی ہیں جو گزر چکے انکے اعمال انکے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ اور آپ سے انکے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائیگا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ ہماری سرنوشہ میں مؤثر نہ ہوتے تو پھر یہ بات اچھی تھی۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کی روایات کو انکے توسط سے دریافت کریں اور انہیں اپنے لیے نمونہ عمل قرار دیں۔ تو کیا اس وقت یہ ہمارا حق نہیں ہے کہ ثقہ اور غیر ثقہ اسی طرح عادل اور فاسق کی شناخت کریں تاکہ اس آیت "إِنْ جَاءَ كُفْرًا فَاسْقِ بِيَاءَ فَنَيْتُ" اگر فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کیجئے" (۱) پر عمل کر سکیں۔

## ۱۱۔ مظلومیت علیؑ

جو بھی تاریخ اسلام کا مطالعہ کرے اس نکتہ کو با آسانی درک کر سکتا ہے کہ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ حضرت علیؑ جو علم و تقویٰ کا پہاڑ، پیغمبر اکرمؐ کے نزدیک ترین ساتھی اور اسلام کے سب سے بڑے مدافع تھے، انہیں اس طرح ہتک حرمت، توہین اور سب و شتم کا نشانہ بنایا گیا۔

انکے دوستوں کو اس طرح دردناک اذیتوں اور مظالم سے دوچار کیا گیا کہ تاریخ میں انکی نظیر نہیں ملتی۔ وہ بھی ان افراد کی طرف سے جو اپنے آپ کو پیغمبر اکرمؐ کا صحابی شمار کرتے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

الف) لوگوں نے علی ابن جهم خراسانی کو دیکھا کہ اپنے باپ پر لعنت کر رہا ہے جب وجہ

پوچھی گئی تو کہنے لگا: اس لئے لعنت کر رہا ہوں کیونکہ اس نے میرا نام علی رکھا ہے۔ (۱)

ب) معاویہ نے اپنے تمام کارندوں کو آئین نامہ میں لکھا: جس نے بھی ابو تراب (علیؑ) اور انکے خاندان کی کوئی فضیلت نقل کی وہ ہماری امان سے خارج ہے (اس کی جان و مال مباح ہے) اس آئین نامہ کے بعد سب خطباء پوری مملکت میں منبر سے علی الاعلان حضرت علیؑ پر سب و شتم کرتے اور ان سے اظہار بیزاری کرتے تھے۔ اس طرح بارہا نسبتیں انکی اور انکے خاندان کی طرف دیتے تھے۔ (۲)

ج) بنو امیہ جب بھی سنتے کہ کسی نو مولود کا نام علی رکھا گیا ہے اسے فوراً قتل کر دیتے۔ یہ بات سہلہ بن حبیب نے ابو عبد الرحمن عقری سے نقل کی ہے۔ (۳)

د) زہری اور سیوطی نقل کرتے ہیں کہ بنو امیہ کے دور حکومت میں ستر ہزار سے زیادہ منابر سے سب علیؑ کیا جاتا تھا اور یہ بدعت معاویہ نے ایجاد کی تھی۔ (۴)

و) جس وقت عمر بن عبد العزیز نے حکم دیا کہ اس بُری بدعت کو ختم کیا جائے اور نماز جمعہ کے خطبوں میں امیر المؤمنین علیؑ کو بُرا بھلا نہ کہا جائے تو مسجد سے نالہ و فریاد بلند ہو گئی اور سب عمر بن عبد العزیز کو کہنے لگے "تُرْكُ السُّنَّةِ تَرْكُ السُّنَّةِ" تو نے سنت کو ترک کر دیا ہے۔ تو نے سنت کو ترک کر دیا ہے۔ (۵)

(۱) اسان السید ابن جلد ۳ ص ۳۱۰۔

(۲) مصابیح الکافیہ ص ۷۲۔

(۳) تہذیب النکاح جلد ۲ ص ۲۰۹ اور سیر اعلام النبلاء جلد ۵ ص ۱۰۲۔

(۴) تاریخ الامم جلد ۲ ص ۸۶ اور مصابیح الکافیہ ص ۷۹ عن السیوطی۔

(۵) مصابیح الکافیہ ص ۱۱۹ تہذیب النکاح جلد ۲ ص ۷۹۔

یہ سب اس صورت میں ہے کہ برادران اہلسنت کی معتبر اور صحیح کتب کی روایت کے مطابق پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "مَنْ سَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ سَبَّنِي وَمَنْ سَبَّنِي فَقَدْ سَبَّ اللَّهَ" جس نے علیؑ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے خدا کو گالی دی!!" (۱)

## ۱۲: ایک دلچسپ داستان

حسن اختتام کے طور پر شاید اس واقعہ کو نقل کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہو کہ جو خود ہمارے ساتھ مسجد الحرام میں پیش آیا ہے۔

ایک دفعہ جب عمرہ پر جانے کا اتفاق ہوا تو ایک رات ہم مغرب و عشاء کی نماز کے درمیان مسجد الحرام میں بیٹھے تھے کہ کچھ علماء حجاز کے ساتھ تمام اصحاب کے تقدس کے بارے میں ہماری بحث شروع ہو گئی، وہ معمول کے مطابق اعتقاد رکھتے تھے کہ اصحاب پر معمولی سی بھی تنقید نہیں کرنا چاہیے۔ یا یوں کہہ دیجئے کہ پھول سے زیادہ نازک اعتراض بھی ان پر نہیں کرنا چاہئے۔ ہم نے ان کے ایک عالم کو مخاطب کر کے کہا: آپ فرض کیجئے کہ اس وقت "جنگ صفین" کا میدان گرم ہے۔ آپ دو صفوں میں سے کس کا انتخاب کریں گے؟ صفِ علیؑ کا یا صفِ معاویہ کا؟

کہنے لگے: یقیناً صفِ علیؑ کا انتخاب کروں گا۔

میں نے کہا: اگر حضرت علیؑ آپ کو حکم دیں کہ یہ تلوار لے کر معاویہ کو قتل کر دیں تو آپ کیا کریں گے؟

کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگے کہ معاویہ کو قتل کر دوں گا لیکن اس پر کبھی بھی تنقید نہیں کروں گا!!

ہاں یہ ہے غیر منطقی عقائد پر اصرار کرنے کا نتیجہ کہ اس وقت دفاع بھی غیر منطقی ہوتا ہے اور انسان سنگلاخ میں پھنس جاتا ہے۔

حق یہ ہے کہ یوں کہیں: قرآن مجید اور تاریخ اسلام کی شہادت کے مطابق، اصحاب پیغمبر اکرمؐ ایک تقسیم کے مطابق چند گروہوں پر مشتمل تھے۔ اصحاب کا ایک گروہ ایسا تھا جو شروع میں پاک، صادق اور صالح تھا اور آخر تک وہ اپنے تقویٰ پر ثابت قدم رہے۔ "عاشقوا سعداء و مساکوا السعداء" انہوں نے سعادت کی زندگی گزاری اور سعادت کی موت پائی۔

ایک گروہ ایسا تھا جو آنحضرتؐ کی زندگی میں تو صالح اور پاک افراد کی صف میں تھے لیکن بعد میں انہوں نے جاہ طلبی اور حب دنیا کی خاطر اپنا راستہ تبدیل کر لیا تھا۔ اور ان کا خاتمہ خیر و سعادت پر نہیں ہوا (جیسے جمل و صفین کی آگ بھڑکانے والے)

اور تیسرا گروہ شروع سے ہی منافقوں اور دنیا پرستوں کی صف میں تھا۔ اپنے خاص مقاصد کی خاطر وہ مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے جیسے ابوسفیان وغیرہ یہاں پر پہلے گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہم یوں کہیں گے۔

"رَقْنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ  
وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ  
رَءُوفٌ رَحِيمٌ" (۱)

ع

# بزرگوں کی قبروں کا احترام

## اجمالی خاکہ

اس مسئلہ میں ہمارے مخاطب صرف شدت پسند وہابی ہیں۔ کیونکہ اسلام کے بزرگوں کی قبور کی زیارت کو مسلمانوں کے تمام فرقے (سوائے اس چھوٹے سے گروہ کے) جائز سمجھتے ہیں۔ بہر حال بعض وہابی ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم کیوں مذہبی رہنماؤں کی زیارت کے لیے جاتے ہو؟

اور ہمیں ”قبورِ نون“ کہہ کر پکارتے ہیں۔ حالانکہ پوری دنیا میں لوگ اپنے گزشتہ بزرگوں کی آرام گاہوں کی اہمیت کے قائل ہیں اور انکی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ مسلمان بھی ہمیشہ اپنے بزرگوں کے مزاروں کی اہمیت کے قائل تھے اور ہیں اور انکی زیارت کے لیے جاتے تھے اور جاتے ہیں۔ صرف ایک چھوٹا سا شدت پسند وہابی ٹولہ انکی مخالفت کرتا ہے اور اپنے آپ کو پوری دنیا کے مسلمان ہونے کا دعویدار اور ٹھیکیدار سمجھتا ہے۔ البتہ بعض مشہور وہابی علماء نے صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا مستحب ہے، لیکن زیارت کی نیت سے رخت سفر نہیں باندھنا چاہیے۔ یعنی مسجد النبیؐ کی زیارت کے قصد یا اس میں عبادت کی نیت سے یا عمرہ کی نیت سے مدینہ آئیں اور ضمناً پیغمبر اکرمؐ کی قبر کی زیارت بھی کر لیں۔ لیکن خود زیارت کے قصد سے بار سفر نہیں باندھنا چاہیے!

”بن باز“ مشہور وہابی مفتی کہ جو کچھ عرصہ قبل ہی فوت ہوئے ہیں۔ الجزیرہ اخبار کے مطابق وہ یہ کہتے تھے ”جو مسجد نبویؐ کی زیارت کرے اس کے لیے مستحب ہے کہ روزِ رسلؐ

## زیارت قبول کی گزشتہ تاریخ:

گزشتہ لوگوں کی قبروں کا احترام (بالخصوص بزرگ شخصیات کی قبروں کا احترام) بہت قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ ہزاروں سال پہلے سے لوگ اپنے مردوں کا احترام کرتے تھے اور ان کی قبروں اور بالخصوص بزرگان کی قبروں کی تکریم کرتے تھے۔ اس کام کا فلسفہ اور بنیاد آج بھی بہت زیادہ ہیں۔

۱۔ گزشتہ لوگوں کی تکریم کا سب سے پہلا فائدہ، ان بزرگوں کی حرمت کی حفاظت ہے اور ان کی قدردانی انسانی عزت و شرافت کی علامت ہے۔ اسی طرح جوانوں کے لیے ان کی سیرت پر عمل پیرا ہونے کے لیے تشویق کا باعث بنتی ہے۔

۲۔ دوسرا فائدہ ان کی خاموش مگر گویا قبروں سے درس عبرت حاصل کرنا اور آئینہ دل سے غفلت کے رنگ کو دور کر کے دنیاوی زرق و برق کے مقابلے میں ہوشیاری اور بیداری پیدا کرنا ہے اور مادہ ہوس پر قابو پانا ہے۔

جیسا کہ امیر المومنین نے فرمایا کہ مردے بہترین وعظ و نصیحت کرنے والے ہیں۔

۳۔ تیسرا فائدہ پسندیدہ کام کی تسلی کا حصول ہے کیونکہ لوگ اپنے عزیزوں کی قبروں پر سکون کا احساس کرتے ہیں۔ گویا وہ ان کے ساتھ ہم نشین ہیں۔ اس طرح قبروں پر جانے سے ان کے فہم کی شدت میں کمی آ جاتی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ جو جنازے مفقود الاثر ہو جاتے ہیں ان کے وارث ان کے لیے ایک قبر کی علامت اور شبیہ بنا لیتے ہیں اور وہاں پر انہیں یاد کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھا فائدہ یہ کہ گزشتہ شخصیات کی قبروں کی تعظیم و تکریم ہر قوم و ملت کی ثقافتی میراث کو زندہ رکھنے کا ایک طریقہ شمار ہوتی ہے اور ہر قوم اپنی قدیمی ثقافت کے ساتھ زندہ راتی ہے۔ پوری دنیا کے مسلمان ایک عظیم اور بے نیاز ثقافت رکھتے ہیں جس کا ایک اہم حصہ

میں دو رکعت نماز ادا کرے اور پھر آنحضرتؐ پر سلام کہے اور نیز مستحب ہے کہ جنت البقیع میں جا کر وہاں مدفون شہداء پر سلام کہے (۱)

اہلسنت کے چاروں ائمہ "الفقہ علی المذہب الاربعہ" کی نقل کے مطابق پیغمبر اکرمؐ کی قبر مبارک کی زیارت کو بغیر ان قیود اور شروط کے مستحب سمجھتے ہیں۔

اس کتاب میں یوں نقل ہوا ہے "پیغمبر اکرمؐ کی قبر کی زیارت اہم ترین مستحبات میں سے ہے اور اس بارے میں صحیحہ و احادیث نقل ہوئی ہیں" اس کے بعد انہوں نے چھ احادیث نقل کی ہیں۔ (۲)

یہ وہابی نولہ اس مسئلہ میں مجموعی طور پر تین نکات میں دنیا کے باقی مسلمانوں کے رائے اختلاف رکھتا ہے۔

۱۔ قبروں پر تعمیر کرنا

۲۔ خود کی زیارت کے لیے سفر کا سامان باندھنا (حدیث رجال)

۳۔ خواتین کا قبروں پر جانا

انہوں نے بعض روایات کے ذریعے ان تین موارد کی حرمت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان روایات کی یا تو سند درست نہیں یا اس مطلب پر ان کی ولایت مردوں ہے (الفاظ غفریب ان روایات کی تشریح بیان کی جائے گی) ہمارے خیال کے مطابق یہ لوگ اس لحاظ سے حرکت کے لیے کچھ اور مقصد رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ توحید و شرک والے مسئلہ سے سو سے میں گرفتار ہیں۔ شاید خیال کرتے ہیں کہ قبروں کی زیارت کرنا ان کی پوجا کرنے سے مترادف ہے اس لیے ان کے علاوہ پوری دنیا کے مسلمان ان کے نزدیک مشرک اور کلمہ ہیں!!

(۱) الجزیرہ اخبار شمارہ ۶۸۲۶ (۲۲ ذی القعدہ ۱۴۱۱ھ)۔

(۲) الفقہ علی المذہب الاربعہ، ج ۱، ص ۵۹۔

وہ لوگ کہتے بے سلیقہ ہیں جنہوں نے مکہ، مدینہ اور یثرب دوسرے شہروں میں ہجرت کر لی۔ اسلام کے پر افتخار آثار کو کھو کر کے اسلامی معاشرے کو عظیم خسارے سے دوچار کر دیا ہے۔

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تادان اور محمد و فکر رکھنے والے سلفیوں نے لبر معقول بہانوں کی آڑ میں یہ کام کر کے پیکر اسلام کی ثقافتی میراث پر ایسی شدید ضربیں لگائی ہیں جنکی تلافی ناممکن ہے۔

کیا یہ عظیم تاریخی آثار صرف اس نولے کے ساتھ مخصوص ہیں کہ اس قدر بے رحمی کے ساتھ انہیں نابود کیا جا رہا ہے۔ کیا ان آثار کی حفاظت و پاسداری پوری دنیا کے اسلام سے آگاہ دانشوروں کی ایک کمیٹی کے ہاتھ میں نہیں ہونی چاہیے؟

۵۔ پانچواں فائدہ یہ کہ دین کے عظیم پیشواؤں کی قبروں کی زیارت اور بارگاہ الہی میں اللہ سے شفاعت کا تقاضا کرنا عند اللہ، توبہ اور انابتہ کے ہمراہ ہوتا ہے۔ اور یہ چیز نفوس کی تربیت اور اخلاق و ایمان کی پرورش میں انتہائی مؤثر ہے بہت سے گناہوں میں آلودہ لوگ جب ان کی بارگاہ ملکوتی میں حاضری دیتے ہیں تو توبہ کر لیتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ان کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور جو نیک و صالح افراد ہوتے ہیں ان کے روحانی و معنوی مراتب میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

قبور کی زیارت کے سلسلہ میں شرک کا توہم:

کبھی کمزور فکر لوگ ائمہ اطہار کی قبور کے زائرین پر ”شرک“ کا لیبل لگا دیتے ہیں یہ بے

<http://fb.com/ranajabirabbas>

بزرگوں کی قبروں کا احترام

وہ زیارت کے مفہوم اور زیارت ناموں میں موجود مواد سے آگاہی رکھتے تو اپنی ان باتوں پر شرمندہ ہوتے۔

کوئی بھی عقلتند آدمی پیغمبر اکرمؐ یا آئمہؑ کی پرستش نہیں کرتا ہے۔ بلکہ یہ بات تو انکے ذہن میں خطور بھی نہیں کرتی ہے۔ تمام آگاہ مؤمنین احرام اور طلب شفاعت کے لیے زیارت کو جاتے ہیں۔

ہم اکثر اوقات زیارت نامہ پڑھنے سے پہلے سو مرتبہ ”اللہ اکبر“ کہتے ہیں اور اس طرح سو مرتبہ توحید کی تاکید کرتے ہیں اور شرک کے ہر قسم کے شبہ کو اپنے سے دور کرتے ہیں۔

معروف زیارت نامہ "امین اللہ" میں ہم آئمہ کی قبروں پر جا کر یوں کہتے ہیں:

"اشهد انک جاهدت فی اللہ حتی جہادہ وغولت  
بکتابہ واتبعث منن لبیہ حتی دعاک اللہ الی  
جوارہ"

”ہم کواعیادیتے ہیں کہ آپ نے راہ خدا میں جہاد کیا اور جہاد کا حق ادا کر دیا۔  
کتاب خدا پر عمل کیا اور سبغہ مغیرہ کی پیروی کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس  
جہان سے اپنی جوار رحمت میں نکال لیا۔“

کیا اس سے بڑھ کر توحید ہو سکتی ہے؟

اسی طرح مشہور زیارت جامعہ کبیرہ میں ہم نوں پڑھتے ہیں کہ:

"إِلَى اللَّهِ تَدْعُونَ وَعَلَيْهِ تَكُونُونَ وَبِهِ تَقْنُونَ  
وَلَهُ تُسَلِّمُونَ، بِأَمْرِ تَعْمَلُونَ، وَإِلَى سَبِيلِهِ

Contact : [jabir.abbas@yahoo.com](mailto:jabir.abbas@yahoo.com)

## بزرگوں کی قبروں کا احترام

۸۵

یعقوب سے شفاعت کا تقاضا کیا اور انہوں نے بھی انہیں مثبت وعدہ دیا۔

”قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ“ قال

مَنُوفٌ اسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“ (۱)

کیا (معاذ اللہ) یعقوب مشرک بنے ہوئے تھے؟

۲۔ قرآن مجید گنہگاروں کو توبہ اور بخیر اکرم سے شفاعت طلب کرنے کی تشویق کرتے

ہوئے یوں فرماتا ہے:

”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا“

”جب بھی وہ اگر اپنے آپ پر (گناہوں کی وجہ سے) ظلم کرتے اور آپ کی

خدمت میں آتے اور توبہ کرتے اور رسولؐ آپ ہی ان کے لیے استغفار کرتے۔ تو وہ اللہ

تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے“ (۲)

کیا یہ آیت مشرک کی طرف تشویق کر رہی ہے؟

۳۔ قرآن مجید منافقین کی مذمت میں یوں کہتا ہے:

”وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا يَمْسُغِفْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوْوَا

رُئُوسُهُمْ وَرَأَتْهُمْ يُصَلُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ“ (۳)

(۱) سورۃ یوسف آیات ۹۸، ۹۷۔

(۲) سورۃ نساء آیت ۶۴۔

(۳) سورۃ منافقون آیت ۵۔

## قرشدونٹ

(ان چھ جملوں میں سب ضمیریں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف لوٹی ہیں، زائرین یوں کہتے

ہیں) ”کہ آپ آئمہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے اور اس کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔

اور آپ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سامنے تسلیم ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے

کی طرف ارشاد و ہدایت کرتے ہیں“

ان زیارت ناموں میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ اور دعوتِ توحید کی بات ہے کیا یہ مشرک ہے یا

ایمان؟ اسی زیارت نامہ میں ایک جگہ یوں کہتے ہیں:

”مُسْتَفْعٌ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِكُمْ“ میں آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

شفاعت کو طلب کرتا ہوں۔

اور اگر بالفرض زیارت ناموں کی بعض تعبیروں میں ابہام بھی ہو تو ان حکمت کی وجہ سے

کاملاً روشن ہو جاتا ہے۔

## کیا شفاعت طلب کرنا توحیدی نظریات کے ساتھ سازگار ہے؟

ایک اور بڑی خطا جس سے وہابی دوچار ہوئے ہیں یہ ہے کہ وہ بارگاہِ رب العزت میں

اولیاءِ الہی سے شفاعت طلب کرنے کو بتوں سے شفاعت طلب کرنے پر قیاس کرتے ہیں

(وہی بت جو بے جان اور بے عقل و شعور ہیں)

حالانکہ قرآن مجید نے کئی بار بیان کیا ہے کہ انبیاءِ الہی، اسکی بارگاہ میں گناہگاروں کی

شفاعت کرتے تھے۔ چند نمونے حاضر خدمت ہیں:

۱۔ برادر ابنِ یوسف نے حضرت یوسف کی عظمت اور اپنی غلطیوں کو سمجھنے کے بعد حضرت

جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ رسول خدا تمہارے لیے مغفرت طلب کریں تو وہ (ظہریہ) ہلاتے ہیں اور آپؐ نے دیکھا کہ وہ آپؐ کی باتوں سے بے پرواہی برتتے اور تکبر کرتے ہیں۔ کیا قرآن مجید، کفار اور منافقین کو شرک کی طرف دعوت دے رہا ہے؟

۳۔ ہم جانتے ہیں کہ قوم لوط بدترین امت تھی لیکن اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں شفاعت کی (اور خداوند سے درخواست کی کہ انہیں مزید مہلت دی جائے شاید توبہ کر لیں) لیکن یہ قوم چونکہ اپنی حد سے بڑھی ہوئی بد اعمالیوں کی وجہ سے شفاعت کی قابلیت کھو چکی تھی۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ کو کہا گیا کہ انکی شفاعت سے صرف نظر کیجئے۔

”فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَالِسُنَا فِي قَوْمِ لُوطَ إِنَّا إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ يَا إِبْرَاهِيمُ اعْبُذْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَالنَّهْمَ أَتَيْنَهُمُ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُونٍ“ (۱)

”جس وقت ابراہیم کا خوف (انجمنی فرشتوں کی وجہ سے) ختم ہو گیا اور (بیٹے کی ولادت کی) بشارت انہیں مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے منگتو کرنے لگے (اور شفاعت کرنے لگے) کیونکہ ابراہیمؑ بد بارہ دوسرے اور توبہ کرنے والے تھے (ہم نے ان سے کہا) اے ابراہیمؑ اس (درخواست) سے صرف نظر کیجئے کیونکہ آپ کے پروردگار فرمان بخلفی چکا ہے اور یقینی طور پر ناقابلِ رفع عذاب انکی طرف آئے گا“

الجب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شفاعت کے مقابلے میں حضرت ابراہیمؑ کی عجیب تجویز فرمائی اور کہا ”إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ“ لیکن اس مقام پر انہیں تذکرہ دیا ہے کہ پانی سر سے گزر چکا ہے اور شفاعت کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

اولیاء اللہ کی شفاعت انکی ظاہری زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے: بہانہ تلاش کرنے والے جب ایسی آیات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جن میں صراحت کے ساتھ انبیاءؑ اللہ کی شفاعت کی قبولیت کا تذکرہ ہے اور ان آیات کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے تو پھر ایک اور بہانہ بناتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ یہ آیات انبیاء کرام کی زندگی کے ساتھ مربوط ہیں۔ ان کی وفات کے بعد شفاعت پر کوئی دلیل نہیں ہے اس طرح شرک والی شاخ کو چھوڑ کر دوسری شاخ کو پکڑتے ہیں۔

لیکن اس جگہ یہ سوال سامنے آئے گا کہ کیا پیغمبر اکرمؐ اپنی رحلت کے بعد خاک میں تبدیل اور مکمل طور پر نابود ہو گئے ہیں یا حیات برزخی رکھتے ہیں؟ (جس طرح بعض وہابی علماء نے ہمارے سامنے اس بات کا اقرار کیا ہے)

اگر حیات برزخی نہیں رکھتے تو اولاً کیا پیغمبر اکرمؐ کا مقام شہداء سے کم ہے جس کے بارے میں قرآن مجید گواہی دیتا ہے کہ ”ہَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْذَلُونَ“ (۱)

ثانیاً: تمام مسلمان نماز کے تشہد میں آنحضرتؐ پر سلام بھیجتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: ”السلام علیک ایہا النبیؐ“..... اگر آنحضرتؐ موجود نہیں ہیں تو کیا یہ کسی خیالی شے کو سلام کیا جاتا ہے؟

ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

لہذا حیات اور ممات کے درمیان فرق ڈالنا صرف ایک موہوم خیال ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس حدیث کے اطلاق سے یہ بھی بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کی قبر کی زیارت کے قصد سے ”تخذ رجال“ سامان باندھنے اور سفر کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

### خواتین اور قبور کی زیارت

خواتین زیادہ عطوفت اور رقت قلب کی وجہ سے اپنے عزیزوں کی قبروں پر جانے کی زیادہ ضرورت محسوس کرتی ہیں تاکہ انہیں صبر اور تسلی حاصل ہو سکے۔ اور تجربے کے ذریعے یہ بات ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کی قبور کی زیارت کے لیے بھی وہ زیادہ مشتاق ہوتی ہیں۔

لیکن مقام افسوس ہے کہ یہ وہابی ٹولہ ایک مشکوک حدیث کی خاطر، خواتین کو ان قبور کی زیارت سے شدت سے منع کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جنوب ایران میں انکی عوام کی زبانوں پر یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی عورت کسی کی قبر پر جائے تو وہ مردہ اس خاتون کو بالکل برہنہ حالت میں دیکھتا ہے!

ایک عالم کہہ رہے تھے میں نے وہابیوں سے کہا کہ پیغمبر اکرمؐ اور خلیفہؓ اول و دوم کی قبریں حضرت عائشہ کے کمرے میں تھیں اور وہ کافی عرصہ تک اسی کمرہ میں رہتی رہیں یا کم از کم کمرہ میں آمد و رفت رکھتی تھیں۔

بہر حال (خواتین کے لیے زیارت قبور کی حرمت پر) ان کے پاس دلیل کے طور پر ایک مشہور حدیث ہے جسے وہ رسولؐ کی طرف نسبت دیتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ”لعن اللہ الذوات القبور“ ”اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی خواتین پر لعنت کرے۔“

چنانچہ کیا آپ معتقد نہیں ہیں کہ مسجد نبویؐ میں پیغمبر اکرمؐ کے مزار کے قریب آج بھی یہ چاہیے کیونکہ قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ ”یا ایہا الذین آمنوا لا ترفقوا اصولکم فوق صوت النبیؐ.....“ (۱) اور اس آیت کو تحریر کر کے آپ لوگوں نے پیغمبر اکرمؐ کی ضریح پر نصب کیا ہوا ہے؟

ہم ان متفاد باتوں کو کیسے قبول کریں!

رابعاً: موت نہ فقط زندگی کا اختتام نہیں ہے بلکہ ایک نئی ولادت اور زندگی میں وسعت کا نام ہے۔ ”الناس ینام فاذا ماتوا انتہوا“ (۲) لوگ غفلت میں ہیں جب سریں گتے بیدار ہونگے۔

خاصاً: ایک معتبر حدیث میں جسے اہلسنت کی معتبر کتب میں ذکر کیا گیا ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ نے رسولؐ اُسے یوں نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”من زار قبری وجئت لہ شفاعتی“ (۳) جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت یقینی ہوگی۔

ایک اور حدیث میں یہی راوی پیغمبر اکرمؐ سے نقل کرتا ہے ”من زارنی بعد موتی فانتما زارنی فی حیاتی“ (۴) جس نے میری رحلت کے بعد میری زیارت کی وہ ایسا تھا

(۱) سورۃ حجرات آیت ۲۔ اے صحابہ ایمان والہ! آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کیجئے۔

(۲) موالی المصابی، جلد ۳ ص ۷۳۔

(۳) دارقطنی مشہور محدث نے اس حدیث کو اپنی کتاب ”سنن“ میں نقل کیا ہے (جلد ۲ ص ۲۷۸) دلچسپ یہ ہے علامہ سائینی نے اسی حدیث کو اہلسنت کی مشہور کتابوں سے نقل کیا ہے ملاحظہ فرمائیں صفحہ ۷۵ ص ۷۴۔

(۴) (سابقہ درج) علامہ سائینی نے اس حدیث کو ۱۳ کتابوں سے نقل کیا ہے۔

بعض کتابوں میں "زارات" کے لفظ کی بجائے "زارات القبور" نقل کیا گیا ہے کہ جو مبالغہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اہلسنت کے بعض علماء جیسے ترمذی (۱) وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس زمانے کے ساتھ مخصوص ہے جب آنحضرتؐ نے اس بات سے منع فرمایا تھا۔ بعد میں یہ حکم نسخ ہو گیا تھا اور آپؐ نے اجازت فرمادی تھی۔

بعض دیگر علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان خواتین کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنا زیادہ وقت زیارت قبور کے لیے صرف کرتی تھیں اور اس طرح انکے شوہروں کے حقوق منافع ہوتے تھے اور لفظ "زارات" والا نسخہ کہ جو مبالغے کا صیغہ ہے اس بات کی دلیل ہے۔

یہ برادران چاہے سب چیزوں کا انکار کر دیں لیکن حضرت عائشہ کے کام کا تو انکار نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ پیغمبر اکرمؐ اور پہلے و دوسرے خلیفہ کی قبریں انکے گھر میں تھیں اور وہ ہمیشہ ان قبروں کے نزدیک تھیں۔

## "حدّ رجال" فقط تین مساجد کے لیے!

تاریخ اسلام میں صدیوں سے مسلمان، پیغمبر اکرمؐ اور بزرگانِ بیتبع کی قبور کی زیارت کے لیے حدّ رجال کرتے تھے (یعنی اس زیارت کے قصد سے سامان باندھا جاتے) اور سفر کرتے تھے اور کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔

(۱) سنن ترمذی، جلد ۳ ص ۷۳ (۱) (۲) نے باب کا عنوان یہ رکھا ہے "باب ما جاء من الرخصة للزارات" یعنی وہاں جس باب میں زیارت قبور کی اجازت دی گئی ہے۔

(۱) صحیح مسلم جلد ۳ ص ۱۶  
(۲) مسند راجح

یہاں تک کہ ساتویں صدی میں ابن تیمیہ کا زمانہ آیا اور اس نے اپنے پیروکاروں کو اس بات سے منع کیا اور کہا کہ "حدّ رجال" صرف تین مسجدوں کی زیارت کے لیے جائز ہے اور بقیہ مسجدوں کے لیے حرام ہے اور اس بارے میں دلیل کے طور پر ابو ہریرہؓ کی اس حدیث کو نقل کیا کہ ابو ہریرہؓ نے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"لا تشد الرحال الا الى ثلاث مساجد، مسجدی

هذا ومسجد الحرام ومسجد الاقصیٰ" (۱)

مرف تین مساجد کے لیے رخت سزا باندھا جاتا ہے ایک میری مسجد اور دوسری مسجد الحرام اور تیسری مسجد الاقصیٰ (۱)

حالانکہ اولاً اس حدیث کا موضوع مساجد کے ساتھ مخصوص ہے نہ دوسرے مقامات کی زیارت کے ساتھ۔ لہذا اس حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ تین مساجد کے علاوہ دیگر مسجدوں کے لیے سامان سفر نہیں باندھا جاتا ہے۔

ثانیاً: یہ حدیث ایک اور طرح بھی نقل ہوئی ہے اور اس نقل کے مطابق انکے مقصود پر اصلاً دلالت نہیں کرتی ہے وہ اس طرح کہ "تشّد الرحال الى ثلاث مساجد" تین مساجد کے لیے سامان سفر باندھا جاتا ہے" (۱) اور یہ درحقیقت اس کام پر تشویق کرتا ہے۔ اس تشویق سے دوسرے مقامات کی زیارت کی نفی نہیں ہوتی ہے کیونکہ ایک شے کے ثابت کرنے سے دوسری شے کی نفی نہیں ہوتی۔ اور چونکہ معلوم نہیں ہے کہ اصل حدیث کا متن پہلی طرح یا دوسری طرح تھا اس لیے حدیث مجمل ہو جائیگی اور استدلال کے قابل نہیں رہے گی۔

ممکن ہے کوئی کہے کہ اسی کتاب میں دوسرے مقام پر یوں نقل کیا گیا ہے کہ "انسفاہی ثلاثۃ مساجد" سفر صرف تین مساجد کے لیے جائز ہے۔  
لہذا حدّ رجال صرف تین مساجد کے لیے جائز ہے!

اس سوال کا جواب واضح ہے اولاً: اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ بہت سے دینی امور غیر دینی سفر مختلف مقاصد کے لیے جائز ہیں۔ سفر صرف تین مساجد کے لیے منحصر نہیں ہے لہذا یہ حصر اصطلاحاً "حصر اضافی" ہے یعنی مساجد میں سے یہ تین مسجدیں ہیں جنکے لیے حدّ رجال کیا جاتا ہے۔ ثانیاً: حدیث کا متن مشکوک ہے معلوم نہیں ہے کہ پہلا متن درست ہے یا دوسرا یا تیسرا۔ اور یہ انتہائی بعید ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے اس مطلب کو تین مرتبہ مختلف الفاظ میں بیان کیا ہو۔ ظاہر ایہ لگتا ہے کہ راویوں نے نقل بہ معنی کیا ہے لہذا اس حدیث میں ابہام پایا جاتا ہے اور جب کسی حدیث کا متن مبہم ہو تو اس کے ساتھ کیا گیا استدلال معتبر نہیں ہوتا ہے۔

### کیا قبور پر عمارت بنانا ممنوع ہے؟

صدیوں سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے کہ مسلمان بزرگان اسلام کی قبروں پر تاریخی اور عمارتیں تعمیر کرتے تھے اور ان کی قبروں کی زیارت کے لیے آتے اور ان سے جبرک ہونے اور اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔ حقیقت میں اس عمل پر مسلمانوں کا اجماع تھا اور اس سیرت عملی کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں تھا۔

مورخین نے تاریخ میں جیسے سعودی نے مروج الذہب میں (کہ جنہوں نے چوتھی صدی میں زندگی گزاری ہے) اور سیاحوں جیسے ابن حجر اور ابن بطوطہ نے ساتویں آٹھویں صدی میں اپنے سفر ناموں میں اس قسم کی عظیم عمارتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

یہاں تک کہ ساتویں صدی میں ابن تیمیہ اور بارہویں صدی میں اسکے شاگرد محمد ابن عبد الوہاب پیدا ہوئے اور انہوں نے قبور پر ان عمارتوں کو بدعت، شرک اور حرام قرار دیا۔ وہابیوں کے پاس چونکہ اسلامی مسائل کی تحلیل کے لیے علمی قدرت کم تھی اس لیے بالخصوص توحید اور شرک کے مسئلہ میں دوسواں کا شکار ہو گئے۔ انہیں جہاں بھی کوئی دستاویزی ملی اس کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی لیے زیارت، شفاعت، قبروں پر عمارت اور دیگر مسائل کو انہوں نے شریعت کے خلاف شمار کرتے ہوئے شرک اور بدعت کے ساتھ تعبیر کیا۔ اور ان میں سے اہم ترین مسئلہ بزرگان دین کی قبروں پر تعمیرات کرانے کا مسئلہ ہے آج بھی سوائے حجاز کے پوری دنیا میں سابقہ انبیاء اور بزرگان دین کی قبروں پر عظیم تاریخی عمارتیں موجود ہیں جو بہت سی تاریخی یادوں کو تازہ کرتی ہیں۔

مصر سے لیکر ہندوستان تک اور الجزائر سے لیکر انڈونیشیا تک سب لوگ اپنے ملک میں موجود اسلامی آثار کا احترام کرتے ہیں اور بزرگان دین کی قبروں کے لیے ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن حجاز میں ایسی بات نظر نہیں آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اسلامی عقائد کی صحیح تحلیل نہیں کر پائے ہیں۔

### وہابیت کے ہاتھوں ثقافتی میراث کی نابودی

گذشتہ صدی میں سرزمین وحی پر ایک تلخ واقعہ رونما ہوا جس نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے اسلامی تاریخ کے آثار سے محروم کر دیا اور وہ حادثہ وہابیت کا برسرِ اقتدار آنا تھا۔ تقریباً یہی (۸۰) سال پہلے (۱۳۳۳ھ) جب حجاز کی حکومت وہابیت کے ہاتھوں آئی تو انہوں نے ایک بے بنیاد سازش کے تحت تمام اسلامی تاریخ کی عمارتوں کو شرک یا بدعت کے بہانے سے

دیران کر کے خاک کے ساتھ یکساں کر دیا۔

البتہ انکی یہ جرات نہ ہوئی کہ پیغمبر گرامی اسلام کی قبر مطہر کو خراب کریں۔ اس خوف سے کہ کہیں پوری دنیا کے مسلمان انکے خلاف اٹھ کھڑے نہ ہوں اور حقیقت میں ان کی نفرت مخالفین نے دوسرے سب مسلمانوں سے تقیہ کیا!

مکہ مکرمہ کے بعض سفروں کے دوران ہم نے دوستانہ ماحول میں وہابیت کے بزرگوں سے یہ دریافت کیا کہ آپ نے سوائے روضہ رسولؐ کے باقی سب قبروں کو ویران کر دیا ہے اس کے باقی رکھنے کا راز کیا ہے؟ تو اس سوال کے جواب میں انکے پاس کوئی عذر وہابیت نہیں تھا۔ بہر حال قوموں کی حیات مختلف امور کے ساتھ وابستہ ہے جن میں سے ایک ان کی میراث اور اپنے دینی و علمی آثار کی حفاظت ہے۔ جبکہ نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ سرزمین وحی بالخصوص مکہ اور مدینہ میں مسلمانوں کی غلط تدبیر کی وجہ سے ایک ہزار ذہنیت رکھنے والے کج سلیقہ اور متعصب ٹولے نے اسلام کی انتہائی قیمتی میراث کو بے بہانوں کے ذریعہ برباد کر دیا ہے۔ ایسی میراث جس کی ہر ایک عمارت اسلام کی پراختیا کا گویا دلائل تھی۔

صرف آئمہ اطہارؑ اور جنت البقیع میں مدفون دوسرے بزرگوں کی قبروں کو ویران کر دیا گیا بلکہ اس ٹولے نے جہاں بھی کہیں اسلامی تاریخ کا کوئی اثر پایا اسے ویران کر دیا۔ اس سے ایک بہت بڑا ناقابل تلافی خسارہ مسلمانوں کے دامن گیر ہوا۔

یہ تاریخی آثار ایک عجیب جاذبیت رکھتے تھے۔ اور انسان کو اسلامی تاریخ گہرائیوں سے آشنا کرتے تھے۔ جنت البقیع ایک وقت انتہائی با عظمت جلوہ رکھتا تھا۔ ہر گوشہ ایک اہم تاریخی حادثہ کی یاد دلاتا تھا لیکن آج ایک دیران بیابان میں تبدیل ہو چکا ہے۔

جوانہائی عجیب لگتا ہے اور وہ بھی بڑے بڑے خوبصورت ہوٹلوں اور زرق برق والی عمارتوں کے درمیان اور زیادہ عجیب لگتا ہے۔ اس کے لوہے کی سلاخوں کے دروازے صرف ایک دو کھلے کے لیے، وہ بھی فقط مرد زائرین کیلئے کھولے جاتے ہیں۔

بہانے:

۱۔ قبروں کو مسجد نہیں بنانا چاہیے:

کبھی کہتے ہیں کہ قبروں پر عمارت بنانا انکی پرستش کا باعث بنتا ہے۔ اور بنی اکرمؐ کی یہ حدیث اس کے جائز نہ ہونے پر دلیل ہے "لعن الله اليهود اتخذوا قبور الانبياء مساكن" اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا" (۱)

سب مسلمانوں پر واضح ہے کہ کوئی بھی اولیائے الہی کی قبروں کی پوجا نہیں کرتا ہے۔ اور زیارت اور عبادت کے درمیان واضح فرق ہے۔ ہم جس طرح زندہ لوگوں کی زیارت و ملاقات کے لیے جاتے ہیں بزرگوں کا احترام کرتے ہیں اور ان سے التماس دعا کرتے ہیں ایسے ہی مردوں کی زیارت کے لیے بھی جاتے ہیں اور بزرگان دین اور شہداء فی سبیل اللہ کا احترام کرتے ہیں اور ان سے التماس دعا کہتے ہیں۔

کیا کوئی بھی عاقل یہ کہتا ہے کہ زندگی میں بزرگوں کی زیارت اس طرح کرنا جس طرح کہتا یا گیا ہے عبادت یا کفر و شرک ہے؟ مرنے کے بعد بھی انکی زیارت اسی طرح ہے۔

(۱) صحیح بخاری، جلد ۱، ص ۱۰۰، حدیث ۵۰۰۰، "وہم یسارون" کے لفظ کے اضافہ کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی آئی ہے (جلد ۲، ص ۶۷)۔

## بزرگوں کی قبروں کا احترام

۹۷

لیکن مقام انوس یہ ہے کہ کچھ خاص مقاصد کی خاطر تہمت، افتراء اور جھوٹ کے زوردارے کھول دیئے گئے ہیں اور وہابی حضرات جو کہ اقلیت میں ہیں اپنے تمام مخالفین پر قسم قسم کی جہتیں لگاتے ہیں۔ انکی باتوں کی بہترین توجیہ ہم یہی کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ کم علمی کی وجہ سے مسائل کی درست تحلیل نہیں کر سکتے اور توحید و شرک کی حقیقت کو خوب سمجھ نہیں پائے ہیں اور انہیں عبادت و زیارت میں واضح طور پر فرق معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

## ۲۔ ایک اور بہانہ:

صحیح مسلم سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ ابوالمہدیج نے پیغمبر اکرمؐ سے اس طرح حدیث نقل کی ہے:

"قال لي علي ابن ابي طالب الا بعثتك

علي ما بعثني عليه رسول الله ان لا تدع تعظلا

الاطمسته ولا قبرا مشرفا الا موقته" (۱)

"حضرت علیؑ نے مجھے فرمایا کیا تجھے وہ ذمہ داری سونپوں جو مجھے رسول خداؐ نے

سونپی تھی: کہ جہاں (ذی روج) کی تصویر دیکھو مٹا دو اور جہاں کہیں اُمیری ہوئی قبر

دیکھو اسے صاف کر دو"

اس حدیث سے غلط مفہوم نکالنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے نیچے اٹھالیے اور تمام بزرگانِ دین کی قبریں ویران کر دیں۔ صرف پیغمبر اکرمؐ اور پہلے دوسرے خلیفہ کی قبریں باقی رہنے لگیں اور ایسے استثناء کے قائل ہوئے جس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

پیغمبر اکرمؐ جنت البقیع میں قبروں کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے اور کتب اہلسنت میں بھی بہت سی روایات پیغمبر اکرمؐ کی قبر اور دیگر قبور کی زیارت کے بارے میں ذکر ہوئی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو کچھ دگا، (سجدہ کا مقام) قرار دیا تھا۔ جبکہ کوئی بھی مسلمان کسی قبر کو اپنا سجدہ کا مقام قرار نہیں دیتا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ آج بھی پیغمبر اسلامؐ کا روضہ مبارک، مسجد نبوی کے ساتھ موجود ہے اور تمام مسلمان حتیٰ کہ وہابی بھی اس روضہ مقدسہ (مسجد نبوی کے اس حصے میں جو آنحضرتؐ کی قبر مبارک سے متصل ہے) کے ساتھ پانچ وقت واجب نمازیں اور اس کے علاوہ سستی نمازیں پڑھتے ہیں اور آخر میں پیغمبر اکرمؐ کی قبر کی زیارت کرتے ہیں۔ کیا یہ کام قبروں کی پوجا شمار ہوتا ہے اور حرام ہے؟ یا یہ کہ پیغمبر اکرمؐ کی قبر اس حرمت سے مستثنیٰ ہے؟ کیا غیر خدا کی پوجا کی حرمت کی دلیلیں بھی قابل استثناء ہیں؟

یقیناً قبروں کی زیارت انکی عبادت شمار نہیں ہوتی ہے اور پیغمبر اکرمؐ کی قبر مبارک کے ساتھ یا دیگر اولیاء الہی کی قبروں کے نزدیک نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور مندرجہ بالا حدیث ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو واقعاً قبروں کی پوجا اور پرستش کرتے تھے۔ جو لوگ شیعوں کی اپنے آئمہ اطہار کی قبور کی زیارت کے ساتھ آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ جب واجب نمازوں کے اوقات میں مؤذن اذان دیتا ہے تو سب رو بہ قبلہ کھڑے ہو کر ان نمازوں کو جماعت کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ اور زیارت کرتے وقت سب سے پہلے سو مرتبہ تکبیر کہتے ہیں اور زیارت کے بعد دو رکعت نماز زیارت رو بہ قبلہ انجام دیتے ہیں تاکہ ابتداءً انتہاء میں روشن ہو جائے کہ پرستش صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

## بزرگان دین کی قبر کی زیارت کے مثبت آثار

اگر لوگوں کو صحیح تعلیم دی جائے کہ ہر قسم کے افراط و تفریط سے پرہیز کرتے ہوئے ان بزرگوں کے پاس یاد خدا میں رہیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے اولیائے الہی کی انکار سے الہام لیں تو یقیناً یہ قبریں تعلیم و تربیت کا مرکز اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ اور تہذیب نفوس کا محور بن جائیں گیں۔

یہ بات ہمارے لیے تجربہ شدہ ہے کہ ہر سال آئمہ اطہار اور شہدائے راہ حق کی قبر کی زیارت کو جانے والے لاکھوں زائرین، بہتر جذبہ اور نورانی، صاف اور پاکیزہ دل کے ساتھ واپس آتے ہیں اور اس زیارت کی نواریت، کافی عرصہ تک انکے عمل سے نمایاں ہوتی ہے۔ اور جب یہ لوگ ان بزرگان کو درگاہ رب العزت میں شفاعت کے لیے پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی توبہ اور دینی و دنیوی حاجات طلب کرتے ہیں تو روحانی اور معنوی رابطہ برقرار کرنے کی خاطر انکے لیے ضروری ہوتا ہے کہ حتماً گناہوں سے دوری اختیار کریں اور نیکی و پاکی کے راستے پر چلیں۔ اس طرح یہ تو تسلیٰ الکی نیکی کا باعث بنتا ہے۔

علاوہ برائین بزرگان کی طرف یہ توجہ اور توسل اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان سے شفاعت طلب کرنا انسان کو مشکلات کے مقابلے میں باہمت بناتا ہے اور مایوسی و ناامیدی کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے اور اس کے جسمانی و روحانی درد و غم کا مداوا بنتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی برکتوں کا موجب بنتا ہے۔

ہم زیارت، شفاعت اور توسل والے مسائل میں کج فہمی کی وجہ سے کیوں لوگوں کو ان روحانی و جسمانی اور معنوی برکتوں سے محروم کریں؟ کوئی عقل سلیم اس بات کی اجازت دیتی

لیکن اولاً: اس حدیث کی سند میں کئی افراد ایسے ہیں جو رجال اہلسنت کے مطابق بھی مورد تائید نہیں ہیں اور ان میں سے بعض دھوکہ و فریب دینے والے شمار ہوتے ہیں جبکہ بالخصوص ”سفیان ثوری“ اور ”ابن ابی ثابت“

ثانیاً: بالفرض اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ قبر کی پشت صاف ہونی چاہیے (مچھلی کی پشت کی طرح ابھری ہوئی نہیں ہونی چاہیے جیسا کہ کفار کی رسم تھی) اور بہت سے اہل سنت و فقہاء نے فتویٰ دیا ہے کہ قبر کی پشت صاف اور مسلح ہونی چاہیے اور یہ بات مذکور بحث کے ساتھ مربوط نہیں ہے۔

ثالثاً: فرض کر لیتے ہیں کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ قبر زمین کے ساتھ ہم سطح ہونی چاہیے اور بالکل ابھری ہوئی نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اس مسئلہ کا قبروں پر عمارت بنانے سے کیا تعلق ہے؟ فرض کیجئے پیغمبر اکرم کی قبر مبارک کا پتھر زمین کے ساتھ ہم سطح اور اس کے ساتھ ساتھ یہ روضہ گنبد اور بارگاہ جو آجکل موجود ہے یہ بھی باقی ہوا ان دونوں کے درمیان کیا منافیات ہے؟ جس طرح قرآن مجید میں پڑھتے ہیں کہ جس وقت اصحاب کہف کا راز فاش ہو گیا تو لوگوں نے کہا کہ ان کی قبروں پر عمارت بنائیں گے۔ قرآن مجید یوں فرماتا ہے ”قَالَ السُّلَيْمَانُ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا“ جو لوگ انکے واقعہ سے آشنائے کہنے لگے ان کے مقام پر مسجد بنائیں گے۔ (۱)

قرآن مجید نے مثبت انداز میں اس داستان کو نقل کیا اور اس پر اعتراض نہیں کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بزرگان کی قبروں کے ساتھ مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ہے؟ ان روحانی و معنوی منزلوں کو طے کرنے سے روکنا عظیم خسارے اور نقصان کا موجب بنے گا۔ لیکن کیا کریں انہیں یہ ہے بعض لوگوں کے توحید و شرک کے مسئلہ میں بے جا دوسوں نے بہت سے لوگوں کو اس عظیم فیض سے محروم کر دیا ہے۔

### ۳: تبرک کو چاہنا اور طلب کرنا ممنوع ہے۔

بہانہ دیگر: جو لوگ بزرگان کی قبروں کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور ان قبور سے تبرک ہوتے ہیں اور کبھی قبر یا ضریح کو چومتے ہیں۔ اس سے شرک کی بو آتی ہے۔ اس لیے حاجی صاحبان نے دیکھا ہوگا کہ تغیر اکرم کی قبر مبارک کے نزدیک ہر طرف سرسخت سپاہی کھڑے ہوتے ہیں اور نبیؐ کے عاشقوں کو ان کی ضریح اور قبر مطہر کی طرف کھٹنے والی جالی کے نزدیک جانے سے روکتے ہیں۔ کبھی اس حرمت کو "ابن تیمیہ" اور "محمد امین عبدالوہاب" کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ دو افراد کہ جو وہابیت کے بانی ہیں رسولؐ کے زمانے میں ہوتے اور صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے موقع پر اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ جب آنحضرتؐ وضو کرتے تو اصحاب کرام ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر وضو کا پانی لینے کی کوشش کرتے تاکہ ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرے (۱)

ایسا منظر دیکھ کر اگر یہ افراد زبان سے اعتراض نہ کر سکتے تو دل ہی دل میں ضرور کڑھتے اور یوں کہتے کہ یہ کام بغیر اکرمؐ اور صحابہ کرام کی شان کے مطابق نہیں ہے اس سے تو شرک کی بو آتی ہے!

(۱) یہ مسئلہ بغیر اکرمؐ کی زندگی میں ہی مرتبہ وقوع پذیر ہوا (صحیح مسلم، جلد ۳، ص ۱۹۳ اور کنز العمال، جلد ۱۶، ص ۴۴۹)

اور یا اگر یہ لوگ نبی اکرمؐ کی رحلت کے بعد مدینہ میں ہوتے تو اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ آنحضرتؐ کے سب سے پہلے میزبان جناب ابوالیوب انصاری قبر مبارک پر خسار رکھ کے تبرک حاصل کرتے تھے۔ (۱) یا حضرت بلال مؤذنؓ آنحضرتؐ کی قبر کے نزدیک بیٹھ کر شدید گریہ کرتے تھے اور شدت غم کی وجہ سے اپنا چہرہ قبر مبارک پر رگڑتے تھے۔ (۲) وہابی حضرت، بلال اور ابوالیوب انصاری کا گریبان پکڑ کر انہیں دور دھکیلتے کہ یہ کام شرک ہے۔ وہی کام کہ جو آجکل اس کتب کے بیروکار رسولؐ کے زائرین کے ساتھ کرتے ہیں۔

حالانکہ تبرک حاصل کرنے کا پریش دپو جا کے ساتھ ذرہ بھر بھی کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس تبرک کا مطلب ایک قسم کا احترام و ادب ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ جس خدا نے اپنے رسولؐ کو مبعوث فرمایا ہے اس ادب و احترام کی خاطر زیارت کر نیوالے پر اپنی رحمت و برکت نازل فرمائے۔

### علمائے اسلام کی اہم ذمہ داری:

اس وجہ سے کہ عوام الناس کے بعض کاموں کی وجہ سے مخالفین کو بہانہ مل جاتا ہے اس لیے تمام علماء اعلام اور دانشمندان حضرات کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ عوام کو بغیر اکرمؐ، آئمہ بطحہ اور دیگر آئمہ اطہار و شہدائے اسلام کی قبور مبارک کے نزدیک غیر سنجیدہ حرکات کرنے سے روکیں اور انہیں زیارت، توسل، تبرک اور شفاعت کے حقیقی مفہوم کی تعلیم دیں۔

(۱) مستدرک المحققین، جلد ۳، ص ۵۶۰۔

(۲) تاریخ ابن مساکر، جلد ۷، ص ۱۳۷۔

تمام لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور وہی ذات  
مستبب الاسباب، قاضی الحاجات، کاشف الکربات اور کافی المہمات ہے۔ اگر ہم بغیر اکرم  
اور آئمہ اطہار کے ساتھ توسل کرتے ہیں تو یہ ذواتِ مقدسہ بھی اذین پروردگار اور اس کی مدد  
کے ساتھ ہر کام انجام دیتے ہیں۔ یا اس کے حضور ہماری شفاعت اور اس سے ہماری حاجات  
کے برآئے کا تقاضا کرتے ہیں۔

عوام میں سے بعض لوگوں کا ان قبور مقدسہ کے سامنے سجدہ کرنا یا ایسے جملے ادا کرنا جن  
سے انکی الوہیت کی بو آتی ہو یا ضریح پر کسی چیز سے گرو لگانا وغیرہ یہ تمام ناشائستہ امور ہیں اور  
ان سے مشکل ایجاد ہوتی ہے۔ اور ایک مثبت اور انتہائی تعمیری کام (زیارت) کا چھوڑنا  
ہو جاتا ہے اور تجھ مجھ کو بہانہ مل جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ تمام لوگوں کو زیارت کی برکتوں سے  
محروم کر دیتے ہیں۔

## نکاح موقت (مُتْعہ)

۵

تمام علمائے اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ متعہ پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں ایک عرصہ تک رائج تھا۔ ایک گروہ قائل ہے کہ یہ خلیفہ ثانی کے دور میں خود اس کے توسط سے اور دوسرا گروہ قائل ہے کہ خود پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں متعہ کو دوبارہ حرام کر دیا گیا تھا۔ اور ہم مکتب اہلسنتؒ کے پیروکاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ متعہ ہرگز حرام نہیں ہوا ہے اور اس کا جواز باقی ہے (البتہ مخصوص شرائط کے ساتھ)

اس عقیدہ میں بہت کم اہلسنت ہمارے ساتھ متفق ہیں جبکہ انکی اکثریت اس مسئلہ میں ہمارے مخالف ہے۔ بلکہ ہمیشہ ہمیں اس بات کا سامنا دیتے اور اعتراض کرتے ہیں حالانکہ اس مسئلہ میں نہ صرف اعتراض کا مقام نہیں بلکہ یہ بہت سی اجتماعی مشکلات کے حل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اس مطلب کی وضاحت آئندہ اس بحث میں بیان کی جائیگی۔

## ضرورت اور نیاز

بہت سے لوگ (بالخصوص جوان لوگ) دائمی نکاح اور شادی کی قدرت نہیں رکھتے ہیں کیونکہ عام طور پر شادی کرنے کے لیے مقدمات، اخراجات اور بہت سی ذمہ داریوں کو قبول کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک بڑی تعداد کے لیے شرائط ابھی آبادہ اور میسر نہیں ہیں۔

## نکاح موقت (متحدہ)

مثال کے طور پر:

۱۔ بہت سے جوان اپنے تعلیمی دور میں شادی کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں (بالخصوص ہمارے زمانے میں تو تعلیمی دورانیہ طویلانی ہو چکا ہے) کیونکہ نہ تو ان کی کوئی ملازمت وغیرہ ہے اور نہ ہی رہائش کے لیے کوئی مناسب مکان اور نہ دیگر اخراجات، جس قدر بھی سادگی کے ساتھ شادی کرنا چاہیں پھر بھی بنیادی وسائل فراہم نہیں ہیں۔

۲۔ بعض افراد شادی شدہ ہیں لیکن بیرون ممالک سفر پر جاتے ہیں اور انکے سفر پرے ہو جاتے ہیں۔ وہاں وہ جنسی محرومیت کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ نہ تو اپنی بیویوں کو ساتھ لے جاسکتے ہیں اور نہ ہی اس ملک میں دوسری شادی کر سکتے ہیں۔

۳۔ بعض لوگ ایسے ہیں جنکی بیویاں مختلف بیماریوں یا مشکلات کا شکار ہو جاتی ہیں اور اس وجہ سے وہ اپنے شوہروں کی جنسی خواہشات کو پورا نہیں کر سکتی ہیں۔

۴۔ بہت سے فوجی ایسے ہیں جو بارڈر وغیرہ کی حفاظت کے لیے یا کسی اور مناسبت سے لمبی ڈیوٹی پر اپنے گھر سے دور چلے جاتے ہیں اور وہاں جنسی مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں۔ اور جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائیگا پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں بھی بہت سے اسلامی فوجیوں کے لیے یہی مشکل پیش آئی اور اسی وجہ سے متحدہ کو حلال کیا گیا۔

۵۔ بعض اوقات حمل کے دوران یا بعض دیگر وجوہات کی بناء پر انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے اپنی بیوی کے ساتھ جنسی روابط ترک کر دے اور ممکن ہے شوہر جوان بھی "اور اس محرومیت میں گرفتار ہو۔

اس قسم کی اجتماعی ضروریات اور مشکلات ہمیشہ تھیں اور ہمیشہ رہیں گی اور یہ مسائل صرف

پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہمارے زمانے میں تحریک جنسی کے عوامل کی زیادتی کی وجہ سے یہ مسائل شدت اختیار کر چکے ہیں۔

ایسے موقع پر لوگوں کے سامنے دو راستے کھلے ہیں۔ یا تو معاذ اللہ بدکاری اور گناہوں میں ڈوبو ہو جائیں یا ایک سادہ سے نکاح یعنی متحدہ سے استفادہ کریں کیونکہ اس میں شادی کی مشکلات و مسائل بھی نہیں ہیں اور دوسری طرف یہ وقتی طور پر انسان کی جنسی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ پارسائی کا مشورہ دینا اور دونوں راستوں سے چشم پوشی کرنا اگرچہ اچھا مشورہ ہے لیکن بہت سے مقامات پر قابل عمل نہیں ہے اور کم از کم بعض افراد کیلئے صرف ایک خیالی راستہ ہے۔

## نکاح میسار:

پچھلے بات یہ ہے کہ حتیٰ متحدہ کے منکر علماء (یعنی اکثر اہلسنت برادران) جب جوانوں اور دیگر محروم لوگوں کی طرف سے دباؤ کا شکار ہوئے تو وہ درجہ سبباً ایک نکاح کے قائل ہو گئے جو حد کے مشابہ ہے اور اسے وہ "ازدواج میسار" کا نام دیتے ہیں۔ مگر چہ اس نکاح کا نام نکاح موقت یعنی متحدہ نہیں ہے لیکن عمل میں یہ متحدہ کے ساتھ کوئی فرق نہیں کرتا ہے۔

پس اس طرح وہ علماء بھی اجازت دیتے ہیں کہ یہ ضرورت مند انسان اس عورت کے ساتھ دائمی نکاح کر سکتا ہے حالانکہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ کچھ مدت کے بعد اسے طلاق دے دے گا اور اس کے ساتھ یہ شرط کرتا ہے کہ وہ نفقہ کا حق نہیں رکھے گی اور نہ ہی رات ساتھ سونے اور رات کا حق رکھے گی! یعنی بالکل متحدہ کے مشابہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس نکاح میسار میں طلاق کے ذریعہ دونوں جدا ہوتے ہیں جبکہ متحدہ میں باقی ماندہ عورت کو بخشش کے ذریعے یا

## نکاح موقت (متحدہ)

اسی طرح جو لوگ اس متحدہ سے سوء استفادہ کرتے ہیں (حالانکہ یہ محروم لوگوں کی ضروریات اور مسائل کے حل کے لیے شریعت کی طرف سے تجویز ہوا ہے) اور لوگوں کی نظروں میں اس کا چہرہ مسخ کرتے ہیں اور اسے اپنی ہوس رانی کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ بھی اسلامی معاشروں میں برائی اور زنا کی راہ ہموار کرنے میں مدد کر رہے ہیں اور گناہ میں آلودہ لوگوں کے ساتھ شریک ہیں کیونکہ یہ لوگ عملاً متحدہ کے صحیح استعمال کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

بہر حال اسلام کہ جو الہی قانون ہے اور انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے اور انسان کی تمام ضروریات کو احاطہ کیے ہوئے ہے ممکن نہیں ہے کہ متحدہ کا مسئلہ اسلام کے احکام میں بیان نہ ہوا ہو جیسا کہ بعد میں بیان کیا جائیگا۔ نکاح موقت پر قرآن مجید بھی شاہد ہے اور احادیث نبوی میں بھی یہ مسئلہ بیان ہوا ہے اور اصحاب کی ایک جماعت کا عمل بھی اس پر رہا ہے۔ ہاں بعض لوگ اس اسلامی حکم کے منسوخ ہو جانے کے قائل ہیں اور جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کج فہم قائلین کے پاس کوئی معقول اور قانع کنندہ دلیل موجود نہیں ہے۔

## متحدہ کیا ہے؟

بعض نا آگاہ لوگ "نکاح موقت" کو انتہائی مسخ چہرے کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور اسے "گناہ، لطمہ اور جنسی آزادی کو قانونی شکل دینے" کے مترادف شمار کرتے ہیں!!

اگر اس قسم کے لوگ سب کے سب عوام الناس میں سے ہوتے تو کوئی مشکل نہیں تھی لیکن انہوں نے یہ ہے کہ اہلسنت کے بعض علماء بھی اس قسم کی نازیبا نسبتیں دیتے ہیں۔ یقیناً شدید مذہبی تعصب انہیں اپنے مد مقابل کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے اور شاید

نکاح کی مدت ختم ہو جانے کے ذریعے مرد و عورت ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے ابتداء سے ہی عقد میں ایک محدود مدت معین کی تھی۔

اور اس سے بڑھ کر بھی دلچسپ یہ ہے کہ ماضی قریب میں ہی بعض اہلسنت جو انہوں نے کہ جنہیں شادی کی مشکل تھی اور وہ مسائل سے دوچار تھے، انٹرنیٹ کے ذریعے ہمارے ساتھ رابطہ کیا ہے اور سوال کیا کہ کیا ہم متحدہ کے مسئلہ میں شیعہ مجتہد کے فتویٰ پر عمل کر سکتے ہیں؟ ہم نے جواب دیا جی ہاں آپ اس مسئلہ میں شیعہ مسلک کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔

جو لوگ متحدہ کا انکار کرتے ہیں اور نکاح "مسیار" کو اختیار کرتے ہیں وہ حقیقتاً متحدہ پر عمل کر رہے ہیں صرف اس کا نام نہیں لینا چاہتے ہیں!

ہاں "ضروریات" انسان کو "حقائق" کے تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں اگرچہ اس کا نام زبان پر نہ لائیں۔

پس یوں نتیجہ لیتے ہیں کہ جو لوگ متحدہ کی مخالفت پر اصرار کرتے ہیں وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر برائیوں اور بدکاریوں کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں مگر یہ کہ متحدہ کے مشابہ "نکاح مسیار" کا فتویٰ دیں۔ اسی لیے آئمہ اطہار کی روایات میں یہ بات بیان ہوئی ہے "کہ بعض لوگ اسلامی طریقہ کے مطابق نکاح موقت" کی مخالفت نہ کرتے تو کوئی بھی زنا سے آلودہ نہ ہوتا" (۱)

(۱) امام صادق فرماتے ہیں "لو لا ما لہی عنہا عمر ما زنی الا شقی" (وسائل الہدیہ جلد ۳ ص ۳۳۰ حدیث ۱۱۱) اہلسنت کی کتاب میں بھی یہ حدیث کثرت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ قال علیؑ "لو لا ان صموا عن امر المتعة ما زنی الا شقی" (تفسیر طبری، جلد ۵ ص ۱۱۹ تفسیر درامکور، جلد ۲ ص ۱۳۰ و تفسیر قرطبی، جلد ۵ ص ۱۱۹)

۱۔ عقدہ متحدہ سے پیدا ہونے والے بچے شرعی حوالے سے اولاد شمار ہوتے ہیں۔ انکے لیے تمام وہی احکام ہیں جو عقدہ دائم سے پیدا ہونے والے بچوں کے احکام ہیں۔ اور اسی طرح یہ بچے ماں، باپ، بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں سے وراثت بھی پائیں گے۔ ان بچوں اور انکی شادی سے پیدا ہونے والے بچوں کے حقوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ بچے بھی ماں، باپ کی کفالت میں رہیں گے ان کے تمام اخراجات اور نفقہ نکاح دائمی سے ہونے والے بچوں کی طرح لازمی ہے کہ ادا کئے جائیں۔

بعض لوگ یہ شرائط سن کر شاید حیران ہوں۔ انکا حق بنتا ہے کیونکہ متحدہ کے بارے غلط اور غوامض نہایت بھائی گئی ہے۔ شاید لوگ اسے مخفی، ناجائز اور غیر قانونی شادی تصور کرتے ہیں، یعنی ایک لفظ میں کہا جائے تو اسے جوزنا کے مشابہ خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔

ہاں ان دو نکاحوں کے درمیان میاں بیوی کے حقوق کے لحاظ سے کچھ فرق ہے۔ اس نکاح میں عقدہ دائم کی نسبت آپس کے تعہد اور ذمہ داریاں بہت کم ہیں۔ کیونکہ اس نکاح کا مقصد ہی سہولت اور توازن کا بہت سخت نہ ہونا ہے۔ من جملہ:

۱۔ بیوی عقدہ متحدہ میں نفقہ اور وراثت کی حقدار نہیں بنتی۔ البتہ بعض فقہاء قائل ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے جب نکاح میں نفقہ اور وراثت کی شرط نہ لگائی جائے یعنی اگر نکاح میں یہ شرط رکھ دی ہے تو پھر اس شرط کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

۲۔ اس نکاح میں عورت آزاد ہے کہ گھر سے باہر جا کر کام (ملازمت) کر سکتی ہے۔ اس کے لیے شوہر کی اجازت شرط نہیں ہے جب تک یہ کام شوہر کے حقوق کو تلف نہ کرتا ہو۔ لیکن عقدہ دائم میں بیوی کیلئے شوہر کی رضایت کے بغیر باہر ملازمت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ اس نکاح میں مرد پر واجب نہیں ہے کہ رات کو اپنی بیوی کے پاس رہے۔

بعض علماء نے تو اس مسئلہ میں شیعوں کی کتب کی ایک سطر کا بھی مطالعہ نہ کیا ہو اور اسی بات ہم ہمیں افسوس ہے۔

اس لیے ہم اس مختصر کتاب میں نکاح موقت کی شرائط اور اس کا نکاح دائم کے ساتھ فرق واضح الفاظ میں بیان کریں گے تاکہ سب پر حجت تمام ہو جائے۔

نکاح موقت اکثر شرائط و احکام میں نکاح دائم ہی کی طرح ہے۔

۱۔ مرد و عورت دونوں مکمل رضایت اور اختیار کے ساتھ بغیر کسی جبر کے ایک دوسرے میاں بیوی بننے اور شادی کے لیے قبول کریں۔

۲۔ عقدہ کا صیغہ لفظ ”نکاح“ ”ازدواج“ یا ”متحدہ“ کے ذریعے جاری کیا جائے اس کے علاوہ دوسرے الفاظ کافی نہیں ہیں۔

۳۔ اگر لڑکی باکرہ ہو تو ولی کی اجازت ضروری ہے اگر باکرہ نہ ہو تو اجازت شرعی نہیں ہے۔

۴۔ عقدہ کی مدت اور حق مہر و تہن اور واضح طور پر معین کیا جائے۔ اگر مدت کو نکاح کے درمیان بیان کرنا بھول جائے تو بہت سے فقہاء کے فتویٰ کے مطابق یہ عقدہ نکاح دائم میں تبدیل ہو جائیگا (اور یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہر دو نکاح کی حقیقت ایک ہی ہے صرف مدت کے ذکر کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے فرق ہے) (توجہ فرمائیے)

۵۔ مدت کا اختتام، طلاق کی مثل ہے بلافاصلہ عورت کو عدت گزارنا ہوگی (البتہ اگر آمیزش واقع ہوئی ہے)

۶۔ عقدہ دائم کی عدت تین مرتبہ ماہواری کا دیکھنا ہے یعنی تیسری مرتبہ ماہواری دیکھنے کے بعد عدت تمام ہو جائیگی لیکن عقدہ موقت کی عدت دوسرے ماہواری کا دیکھنا ہے۔

یا اگر ایک دن منافقین نے مسجد ضرار بنادی جس کے ویران کرنے اور جلانے کا حکم خود غیر اسلام نے صادر فرمایا تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مسجد سے کنارہ کشی اختیار کر لیں؟ بہر حال ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ بعض نادان لوگوں نے اسلامی حکم سے سوء استفادہ کیا ہے لیکن چند بے نمازیوں کی وجہ سے مسجد کو تالان نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہوس پرستوں کے لیے راستہ بند کیا جائے اور اس نکاح متحدہ کے لیے صحیح راہ مل نکالا جائے۔

بالخصوص ہمارے زمانے میں یہ کام منظم اور دقیق راہ حل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ بعض شائستہ اور ماہر شخصیات اور اہل خبرہ لوگ اس مسئلہ کے لیے ایک کارآمد اور قابل اجراء قانون نامہ لکھ کر شیاطین کے ہاتھ قطع کر دیں اور اس حکیمانہ حکم کے خوبصورت چہرہ کو آشکار کر دیں۔ تاکہ دو گروہوں کے لیے راستہ بند ہو جائے۔ ایک ہوس پرست گروہ اور دوسرے عقیدہ کرنے والے کینہ توڑ ٹولہ۔

### نکاح متحدہ، قرآن و سنت اور اجماع کی روشنی میں:

قرآن مجید میں نکاح موقت کو ”متحدہ“ کے عنوان کے ساتھ سورہ نساء کی آیت نمبر ۲۴ میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”فَمَا اسْتَفْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَوَظِئَهُنَّ“ پس جن خواتین کے ساتھ تم متحدہ کرو ان کا حق مہر انہیں ادا کرو“

اور اہم نکتہ یہ ہے کہ رسول خداؐ اسے نقل شدہ بہت سی احادیث میں ”متحدہ“ کا لفظ، نکاح موقت کے لیے استعمال کیا گیا ہے (جیسا کہ آئندہ اس بحث میں یہ روایات قارئین کی نظروں سے گزر رہی گی) اس کے علاوہ فقہاء اسلام کی کتابوں میں جاسے وہ متحدہ ہوں یا نہ ہوں ہر جگہ نکاح

مذکورہ احکام میں غور و فکر کرنے سے بہت سے سوالات، غیر منصفانہ تضادات، شبہات اور تہمتوں کا جواب روشن ہو جائیگا۔ اور اسلام کے اس حکیمانہ اور مقدس حکم کے بارے میں باہمی گئی غلط ذہنیت خود بخود ختم ہو جائیگی۔ اور اس گفتگو سے یہ بات بھی بالکل واضح و روشن ہو جاتی ہے کہ اس نکاح موقت کا زنا اور دیگر عفت کے منافی اعمال کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جو لوگ ان دونوں کا آپس میں قیاس کرتے ہیں وہ یقیناً نا آگاہ ہیں اور انہیں نکاح متحدہ کی حقیقت اور شرائط کے بارے میں بالکل معلومات نہیں ہیں۔

سوء استفادہ: ہمیشہ مثبت امور سے سوء استفادہ بد زبان لوگوں کی زبان کھولتا اور بہانہ گروں کو بہانہ فراہم کرتا ہے تاکہ اسے بہانہ بنا کر مثبت امور کے خلاف کام کریں اور اپنا زہر آکلیں۔

نکاح متحدہ بھی اس قسم کی بحثوں کا ایک روشن مصداق ہے۔

انہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض ہوس پرستوں نے اس نکاح متحدہ کو جو کہ حقیقت میں ضروریات کی گرہ کھولنے اور اجتماعی مشکلات کو حل کرنے کے لیے تشریح کیا گیا تھا، باز پچھ بنا دیا ہے اور بے اطلاع لوگوں کے سامنے اس کا چہرہ مسخ کر کے منافقین کو بہانہ فراہم کیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ حکیمانہ حکم تنقید کا نشانہ بن گیا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کونسا حکم ہے جس سے ایک دن ضرور سوء استفادہ نہ کیا گیا ہو اور وہ کونسا نہیں سرمایہ ہے جس سے نا اہل غلط طور پر بہرہ مند نہ ہوئے ہوں؟

اگر لوگوں نے ایک دن جھوٹ اور دھوکے سے قرآن مجید کو نیزوں پر بلند کیا تاکہ انہیں ظالم حکومت کا دفاع کر سکیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم قرآن مجید کو چھوڑ دیں؟

## نکاح موقت (متحد)

موقت کو "متحد" کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ پس اس بات کا انکار مسلمات کا انکار شمار ہوگا) فقہاء کے بعض کلمات بھی آئندہ اوراق میں آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے)

اس کے باوجود بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ اس آیت میں "استحار" کا لفظ "لذت اٹھانے" اور ہمبستری کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور کہتے ہیں اس آیت کا مفہیم یہ ہے کہ جس وقت تم بیویوں سے جنسی استفادہ کرو تو ان کا حق مہر ادا کیا کرو۔ اس بات میں واضح اعتراض ہیں:

اولاً: حق مہر کی ادائیگی کا وجوب، عقد اور نکاح پر موقوف ہے۔ یعنی نکاح ہونے کے فوراً بعد عورت اپنے پورے حق مہر کی ادائیگی کا مطالبہ کر سکتی ہے چاہے ہمبستری نہ ہو کی ہو جن خوش فعلی بھی واقع نہ ہوئی ہو (ہاں اگر ہمبستری سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو طلاق کے بعد حق مہر آدھا ہو جاتا ہے) (غور فرمائیے)۔

ثانیاً: جیسا کہ کہا ہے کہ متحد کی اصطلاح شریعت کی عرف میں، شیعہ اور سنی فقہاء کے کلمات اور احادیث کی زبان میں "نکاح موقت" کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ اس بات کی اولہ مفصل طور پر آپ کے سامنے پیش کی جائیں گی۔

مشہور مفسر مرحوم طبرسی، تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں وضاحت فرماتے ہیں کہ اس آیت کے بارے میں دو نظریے ہیں، ۱۔ ایک اُن لوگوں کا نظریہ ہے کہ استحار کو "لذت اٹھانے" کے معنی میں تفسیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے بعض اصحاب یا تابعین وغیرہ کو اس نظریہ کے قائلین کے طور پر پیش کیا ہے ۲۔ دوسرا اُن لوگوں کا نظریہ ہے جو قائل ہیں کہ یہ آیت عقد متحد اور نکاح موقت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اسے انہوں نے ابن عباس و سہی و ابن مسعود اور تابعین کے ایک گروہ کا نظریہ قرار دیا ہے۔

اس کے بعد وہ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوسرا نظریہ واضح ہے کیونکہ متحد اور استحار کا لفظ شریعت کی عرف میں نکاح موقت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسری دلیل یہ ہے کہ حق مہر کا وجوب لذت اٹھانے کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ (۱)

قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: کہ جمہور کے عقیدہ کے مطابق اس آیت سے مراد وہی نکاح موقت ہے جو صدر اسلام میں رائج تھا۔ (۲)

اس کے علاوہ سیوطی نے تفسیر در المنثور میں اور ابو حیان، ابن کثیر اور معاہلی نے اپنی تفاسیر میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ مسئلہ تمام علمائے اسلام (شیعہ، سنی) کے نزدیک مسلم ہے کہ نکاح موقت (متحد) وغیرہ اکرم کے زمانے میں موجود تھا۔ لیکن فقہائے اہلسنت کی ایک بڑی جماعت قائل ہے کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا تھا۔ البتہ کس زمانے میں منسوخ ہوا؟ اس بارے میں انکا شدید اختلاف ہے۔ اور یہ بات توجہ طلب ہے۔

من جملہ مشہور عالم "جناب نووی" صحیح مسلم کی شرح میں یوں اقوال نقل کرتے ہیں: ابیہش کہتے ہیں کہ (حدیث) غزوہ خیبر میں پہلے حلال کیا گیا پھر حرام کر دیا گیا۔

۱۔ صرف عمرہ القضاء میں حلال تھا۔

۲۔ فتح مکہ کے دن پہلے حلال اور پھر حرام کر دیا گیا۔

۳۔ غزوہ تبوک (سنہ ۹ ہجری ق) میں حرام کیا گیا۔

۴۔ صرف جنگ ادھاس (سنہ ۸ ہجری ق) میں حلال کیا گیا۔

۵۔ تفسیر مجمع البیان، جلد ۲، ص ۶۰۔

۶۔ تفسیر قرطبی، جلد ۵، ص ۱۲۰، فتح مقدیر، جلد ۱، ص ۳۳۹۔

کاح موقت (متحدہ)

درمیان فاصلہ ہو) کے مسئلہ میں اختلاف تھا (میں نے کہا آپ کی کیا نظر ہے؟) کہنے لگے: ہم نے ہر دو مسئلوں پر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عمل کیا ہے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ہر دو سے منع کر دیا اس کے بعد ہم نے پرہیز کیا! (۱) اس صریح نص کے بعد اور وہ بھی صحیح مسلم جیسی کتاب میں، کیا اب بھی کہا جاسکتا ہے کہ متحدہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں حرام ہو گیا تھا۔

### کس نے متحدہ کو حرام کیا؟

جس بات کو ہم نے اوپر جناب جابر ابن عبد اللہ انصاری سے نقل کیا ہے وہ اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے جسے ابلسٹ کے بہت سے محدثین، مفسرین اور فقہاء نے اپنی کتابوں میں خلیفہ دوم سے نقل کیا ہے۔ حدیث کا متن یوں ہے:

”مَتَعَتَانِ كَالْمَتَا مَشْرُوعَتَيْنِ فِي غِلْهِ رَسُولِ اللَّهِ  
وَأَنَا أَلْهِیْ غَنِيْمَا: مَتْعَةُ الْحَجِّ وَمَتْعَةُ النِّسَاءِ“

دو قسم کے حصے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جائز اور حلال تھے میں اُن دونوں سے منع

کرنا ہوں ایک حج جسا اور دوسرا حصہ النساء (نکاح موقت)

بعض کتابوں میں یہ حدیث اس جملہ کے اضافہ کے ساتھ نقل ہوئی ہے ”وَأَعَاقِبُ عَلَيْهِمَا“ اور میں ان دونوں پر سزا دوں گا۔

صحیح سے یہ مراد ہے کہ حاجی پہلے عمرہ بجالائے اور احرام کھول دے اس کے بعد حج کے دنوں میں دوبارہ حج کا احرام باندھ لے۔

(۱) صحیح مسلم جلد ۳ ص ۵۹ حدیث ۳۳۰۷، دار الفکر بیروت۔

۶۔ حجۃ الوداع (سنہ ۱۰ ہجری ق) میں حلال کیا گیا۔ (۱)

دلچسپ یہ ہے کہ اس بارے میں متضاد روایات نقل کی گئی ہیں بالخصوص جنگ خیبر میں اس کی تحریم اور حجۃ الوداع میں اس کی تحریم والی روایات مشہور ہیں۔ بعض ابلسٹ فقہاء نے ان دو احادیث کو جمع کرنے کے لیے بہت کوشش کی ہے لیکن کوئی مناسب راہ حل پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ (۲)

اور اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جناب شافعی کا یہ جملہ ہے: وہ فرماتے ہیں ”لَا أَغْلَمُ شَيْئًا أَحَلَّ اللَّهُ ثُمَّ حَرَمَهُ ثُمَّ أَحَلَّهُ، ثُمَّ حَرَمَهُ إِلَّا الْمَتْعَةَ“ مجھے تو کے علاوہ کس اور چیز کا علم نہیں ہے کہ اسے پہلے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو پھر حرام کر دیا ہو پھر دوبارہ حلال کیا ہو اور اس کے بعد پھر حرام کر دیا ہو!!“ (۳)

دوسری طرف سے ابن حجر، سبکی سے نقل کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے دن متحدہ کی تحریم ایسی چیز ہے جسے راویوں اور ارباب تاریخ میں سے کسی نے نقل نہیں کیا۔ (۴)

۷۔ ایک اور قول یہ ہے کہ متحدہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حلال تھا، بعد میں حضرت عمرؓ نے اس سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ ابلسٹ کی معتبر ترین کتاب صحیح مسلم میں یوں آیا ہے ”ابن ابی نضرہ“ کہتے ہیں میں جناب جابر ابن عبد اللہ انصاری کی خدمت میں تھا، وہ کہنے لگے کہ انا زبیر اور ابن عباس کے درمیان غزوتوں کے ساتھ متحدہ اور حصہ حج (حج جمع یعنی عمرہ اور حج کے

(۱) شرح صحیح مسلم جلد ۹ ص ۱۹۱۔

(۲) ایضاً۔

(۳) السنن ابن قدامہ، جلد ۷ ص ۵۷۲۔

(۴) فتاویٰ ابن حجر، جلد ۱ ص ۳۳۰۔

یہ حدیث اُن مشہور احادیث میں سے ہے جو تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ حضرت عمر سے نقل ہوئی ہے کہ انہوں نے منبر سے یہ بات لوگوں کے سامنے بیان کی۔ ہم ذیل میں اہلسنت کی حدیث، فقہ اور تفسیر کی کتب میں سے اس حدیث کے سات حوالے ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ مسند احمد، جلد ۳ صفحہ ۳۲۵۔

۲۔ سنن بیہقی، جلد ۷ صفحہ ۲۰۶۔

۳۔ ایسوطرخی، جلد ۲ صفحہ ۲۷۔

۴۔ السنن ابن قدامہ، جلد ۷ صفحہ ۵۷۱۔

۵۔ بحلی ابن حزم، جلد ۷ صفحہ ۱۰۷۔

۶۔ کنز العمال، جلد ۱۶ صفحہ ۵۲۱۔

۷۔ تفسیر کبیر فخر رازی، جلد ۱۰ صفحہ ۵۲۔

یہ حدیث متعدد مسائل سے پردہ اٹھاتی ہے۔

الف) خلیفہ اول کے دور میں متحدہ کاح حلال ہوتا:

متحدہ (کاح موقت) رسول اکرم کی طویل حیات میں بلکہ خلیفہ اول کے دور حکومت میں بھی حلال تھا اور خلیفہ دوم نے بعد میں اس سے منع کیا!۔

ب) اجتہاد دور مقابل نص:

خلیفہ اپنی اتنی اتھارٹی سمجھتے تھے کہ پیغمبر اکرم کی صریح نص کے مقابلے میں نیا قانون اور اسلامی حکم جعل کریں حالانکہ قرآن مجید واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ:

”وما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا“ (۱)

پیغمبر جو کچھ آپ کو دیں اسے لے لیں اور جس چیز سے منع کریں اس سے پرہیز کریں

کیا پیغمبر اکرم کے علاوہ کسی اور کو احکام الہی میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے؟

کیا کوئی بھی شخص یوں کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر اکرم نے ایسا کیا لیکن میں یوں کرتا ہوں؟

کیا پیغمبر اکرم کی صریح نص کے مقابلے میں کہ جو وحی سے اخذ شدہ ہے اجتہاد کرنا جائز

ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ رسول خدا کے احکام کو اتنی لاپرواہی کے ساتھ رد کرنا واقعا تعجب آور ہے

اور اس سے بڑھ کر اگر نص کے مقابلے میں اجتہاد کا دروازہ کھول دیا جائے تو کیا ضمانت ہے کہ

دوسرے لوگ ایسا کام نہیں کریں گے؟ کیا اجتہاد صرف ایک آدمی کے ساتھ مخصوص تھا اور

دوسرے لوگ مجتہد نہیں ہو سکتے ہیں؟

یہ بہت حساس مسئلہ ہے کیونکہ نص کے مقابلے میں اجتہاد کا دروازہ کھل جانے کے بعد

احکام الہی میں سے کچھ بھی محفوظ نہیں رہے گا! اور اسلام کے جادوئے احکام میں عجیب ہرج پیدا

ہو جائیگا اور اس طرح تمام اسلامی احکام خطرے میں پڑ جائیں گے۔

حضرت عمر کی مخالفت کا سبب:

کیوں حضرت عمر، ان دو احکام الہی کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے؟ حج تمتع کے

بارے میں انکا خیال یہ تھا جو مسلمان حج کے لیے آتے ہیں انہیں حج اور عمرہ ختم کرنے کے بعد احرام کھولنے چاہئیں اور بعد میں مثلاً اپنی بیویوں کے ساتھ آمیزش کرنی چاہیے۔ اور یہ کہ عمرہ جمعہ انجام دینے کے بعد حاجی چند دن کے لیے احرام کھول دے اور آزاد ہو جائے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے اور روج حج کے ساتھ سازگار نہیں ہے!

### متحدہ کی تحریم کے بعد لوگوں کا رد عمل:

مذکورہ بالا روایت سے کہ جسے اہلسنت کے بہت سے محدثین، مفسرین اور فقہاء نے نقل کیا ہے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ متحدہ کی تحریم حضرت عمر کے زمانے میں تھی نہ پیغمبر اکرم کے زمانے میں، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات جو انہی کتب میں نقل ہوئی ہیں اس بات کی تائید کرتی ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند ایک روایات ذکر کرتے ہیں:

۱۔ مشہور محدث جناب ترمذی نقل کرتے ہیں کہ اہل شام کے ایک آدمی نے جناب عبد اللہ بن عمر سے متحدہ نہا کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے کہا: حلال ہے۔ سائل نے کہا آپ کے والد حضرت عمر نے اس سے منع کیا ہے۔ جناب عبد اللہ بن عمر نے کہا:

”ارأيت إن سمات أبي قد نهي عنها وقد منّھا رسول اللہ، انترک السنۃ وتبع قول أبي؟“ (۲)

(۱) فقیر کبیر غرنازی جلد ۱ ص ۵۰۔

(۲) یہ حدیث ابولکلیٰ کی شائع شدہ صحیح ترمذی میں اس طرح نہیں ہے بلکہ اس میں متحدہ النساء کی جگہ حد اچ آئی ہے۔ لیکن وہ اب ذہب الدین المعروف حمید ثانی نے کہ جو جوہر مدنی کے علماء میں سے تھے کتاب شرح لمعہ میں اور شیر اللہ طائفہ نے کہ جو ساتویں صدی کے علماء میں سے تھے کتاب الطرائف میں اسی حدیث کو حدیث النساء کے ساتھ نقل کیا ہے ایسا لگتا ہے کہ صحیح ترمذی کے قدیمی نسخوں میں یہ حدیث اسی طرح تھی لیکن بعد میں اس میں تبدیلی کر دی گئی ہے (اس قسم کی مثالیں بہت زیادہ ہیں)۔

یہ خیال درست نہیں ہے، کیونکہ حج اور عمرہ دو علیحدہ عمل ہیں اور ممکن ہے ان دو اعمال کے درمیان ایک ماہ سے زیادہ فاصلہ ہو۔ مسلمان ماہ شوال یا ذی قعدہ میں مکہ مشرف ہوتے ہیں اور عمرہ بجالاتے ہیں اس کے بعد آٹھ ذی الحجہ تک آزاد ہوتے ہیں پھر حج کے موسم میں دوبارہ احرام باندھتے ہیں اور عرفات چلے جاتے ہیں اس بات پر کیا اشکال ہے جسکی وجہ سے حضرت عمر نے اپنے سخت رد عمل کا مظاہرہ فرمایا اور بہر حال متحدہ اور نکاح موقت کے بارے میں (بعض لوگوں کے عقیدہ کے مطابق) انکا خیال یہ تھا کہ اگر متحدہ جائز ہو تو پھر نکاح اور زنا کے درمیان شناخت مشکل ہو جائیگی۔ کیونکہ اس صورت میں اگر کسی مرد اور عورت کو اکٹھا کیا جائے تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم نے آپس میں متحدہ کیا ہوا ہے! اس طرح زنا کی شرح بڑھ جائیگی!

یہ خیال تو اس پہلے خیال سے زیادہ بوجس ہے، چونکہ اتفاقاً مسئلہ الٹ ہے کیونکہ عقدہ سے منع کرنا، زنا اور بے عفتی کے بڑھنا کا موجب ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے کہ بہت سے ایسے جوان جو دائمی ازدواج کی قدرت نہیں رکھتے ہیں یا ایسے لوگ جو اپنی بیویوں سے دور ہیں اور زنا یا نکاح موقت کے علاوہ ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے واضح سی بات ہے کہ انہیں صحیح راستے اور عقد موقت سے روکنا گناہوں اور بے عفتی کی وادی میں دھکیلتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث میں یوں نقل ہوا ہے کہ اگر

اگر میرے والد ایک چیز سے منع کریں لیکن رسول اللہؐ نے اسے سنت قرار دیا ہو تو کیا ہم

آنحضرتؐ کی سنت کو ترک کر کے اپنے باپ کی بات پر عمل کریں گے؟

ایک اور حدیث (صحیح مسلم) میں جناب جابر ابن عبد اللہ انصاریؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہؐ کے زمانے میں تھوڑی سی کچھوروں یا آنے کے حق مہر پر چند دن کے لیے متحد کر لیا کرتے تھے اور یہ سنت حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی جاری تھی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے "عمر بن حرث" والے واقعہ کی وجہ سے اس کام سے منع کر دیا۔ (۱)

۳۔ اسی کتاب میں ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کا حدیث النساء اور محدث الحج کے بارے میں اختلاف ہو گیا (اور انہوں نے جناب جابر ابن عبد اللہ انصاریؓ کو حاکم بنایا) تو جابر نے کہا ہم نے ان دونوں پر رسول اللہؐ کے زمانے میں عمل کیا ہے، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے منع کیا اور ہم نے پرہیز کیا! (۲)

۴۔ ابن عباسؓ کہ جنہیں "حسب الامۃ" (امت کے عالم) کا لقب دیا گیا ہے، رسول اللہؐ کے زمانے میں حکم متحد کے منسوخ نہ ہونے کے قائل تھے اس بات کی دلیل انکے اور جناب عبد اللہ بن زبیرؓ کے درمیان ہونے والی بحث ہے جسے صحیح مسلم میں نقل کیا گیا ہے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں رہائش رکھی ہوئی تھی ایک دن (کچھ لوگوں کے سامنے جن میں جناب ابن عباسؓ بھی تھے) کہنے لگے بعض ایسے لوگ کہ خداوند نے انکے دل کی آنکھوں کو آنگی ظاہری آنکھوں کی طرح اندھا کر دیا ہے، وہ فتویٰ دیتے ہیں کہ متحد جائز ہے۔ انکا مقصد ابن عباسؓ کو سنانا تھا جو کہ اس زمانے میں نابینا ہو چکے تھے۔ ابن عباسؓ نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگے

(۱) صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۱۳۱۔

(۲) صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۱۳۱۔

کہ تو ایک بے وقوف اور نادان آدمی ہے، مجھے اپنی جان کی قسم ہم نے رسول اللہؐ کے زمانے میں اس سنت پر عمل کیا ہے۔ ابن زبیرؓ نے (رسول اللہؐ کے نام سے لا پرواہی کرتے ہوئے) کہا: تو آزما کر دیکھ لے، خدا کی قسم اگر تو نے اس پر عمل کیا تو تجھے سنگسار کر دوں گا۔ (۱)

یعنی منطقی بات کا جواب زور اور دھمکی کے ساتھ دیا!

اقتلاً یہ بات اس زمانے کی ہے جب عبد اللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں حکومت حاصل کر لی تھی اسی لیے تو اس نے ابن عباسؓ جیسے دانشمند اور عالم کے مقابلے میں ایسی بات کرنے کی جرات کی۔ حالانکہ ابن عباسؓ، بن کے اعتبار سے اس کے باپ کے برابر تھے اور علم کے اعتبار سے تو یہ انکے ساتھ قابل قیاس ہی نہیں تھا۔ بالفرض اگر علم میں انکے برابر بھی ہوتا تو اس قسم کی دھمکی کا حق اسے نہیں پہنچتا تھا۔ کیونکہ اس قسم کے احکام میں اگر کوئی اپنے فتویٰ پر عمل کرے اور بالفرض اس کا فتویٰ غلط بھی ہو تب بھی "وطی بالشیعہ" شمار ہوگی اور معلوم ہے کہ وطی بالشیعہ میں حد جاری نہیں ہوتی ہے لہذا سنگسار کرنے کی دھمکی دینا ایک بے معنی اور جاہلانہ سی بات ہے۔

البتہ اس قسم کی بے ہودہ دھمکی عبد اللہ بن زبیرؓ جیسے ایک نادان اور گستاخ جوان کی طرف سے بعید نہیں ہے! دلچسپ بات یہ ہے کہ راغب نے کتاب معاضرات..... میں نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن زبیرؓ نے سرزنش کے لہجہ میں ابن عباسؓ کو کہا کہ تو کیوں "متحد" کو حلال سمجھتا ہے۔ لیکن ابن عباسؓ نے کہا جا کر اپنی ماں سے پوچھ لے! وہ اپنی ماں کے پاس آیا۔ ماں نے اس سے کہا "ما ولدک تک لاف فی السعدہ" تو اس زمانے میں پیدا ہوا تھا جب میں تیرے باپ کے متحد میں

تھی! (۱)

۵۔ مسند احمد میں "ابن حصین" سے نقل کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں خود کی آیت نازل ہوئی اور اس پر ہم نے عمل کیا اور اس کو نسخ کرنے والی آیت نازل نہیں ہوئی یہاں تک کہ رسول خدا کی رحلت ہو گئی۔ (۲)

یہ ان روایات کے بعض نمونے ہیں جو صراحت کے ساتھ حکمِ متحدہ کے منسوخ نہ ہونے کو بیان کرتے ہیں۔

ان روایات کے مقابلے میں کچھ روایات نقل کی گئی ہیں جو کہتی ہیں کہ یہ حکم رسول خدا کے زمانے میں منسوخ ہو چکا تھا۔ اسے کاش یہ روایات آپس میں متفق ہوتیں اور ایک ہی زمانے کی نشاندہی کرتیں لیکن انفس یہ ہے کہ ہر روایت نے دوسری روایت سے جداگانہ زمانے کو بیان کیا ہے۔

۱۔ ان روایات میں سے بعض میں ذکر ہوا ہے کہ متحدہ کی تحریم جنگِ خیبر والے دن (۱) (جبری میں) صادر ہوا۔ (۳)

۲۔ بعض دوسری روایات میں آیا ہے کہ رسول خدا نے عام الفتح (فتح مکہ والے سال ۵) (جبری) میں مکہ کے اندر متحدہ کی اجازت فرمائی اور کچھ عرصہ کے بعد اسی سال منع فرمایا۔ (۴)

۳۔ بعض دیگر روایات میں آیا ہے کہ غزوہ اوطاس میں (فتح مکہ کے بعد) ہوازن کی

(۱) ماضرات، جلد ۲، ص ۲۱۳ شرح فتح البلاء، ابن ابی الحدید، جلد ۲، ص ۱۳۰۔

(۲) مسند احمد، جلد ۳، ص ۳۶۔

(۳) روزنامہ، جلد ۲، ص ۳۸۶۔

(۴) صحیح مسلم، جلد ۳، ص ۱۳۳۔

(۱) صدر سابق، ص ۱۳۱۔

(۲) شرح صحیح مسلم از فردی، جلد ۹، ص ۱۹۱۔

(۳) المغنی، ابن قدامہ، جلد ۷، ص ۵۷۲۔

سرزمین پر (مکہ کے نزدیک) تین دن کے لیے اجازت فرمائی اس کے بعد منع فرمادیا (۱) اگر کوئی مختلف اقوال کی تحقیق انجام دے تو معلوم ہوگا کہ اس مسئلہ میں اختلاف اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ اہلسنت کے مشہور فقیہ (جناب نووی) نے صحیح مسلم کی شرح میں اس مسئلہ کے بارے میں چھ قول نقل کیے ہیں اور ہر قول کسی نہ کسی روایت کے ساتھ سازگار ہے:

۱۔ جنگِ خیبر میں حلال کیا گیا اور پھر (اس کے چند دن بعد) تحریم ہو گیا

۲۔ غزوہ القنہ میں حلال ہوا (پھر حرام ہو گیا)

۳۔ فتح مکہ کے دن حلال ہوا اس کے بعد حرام ہو گیا

۴۔ رسول خدا نے اسے غزوہ تبوک کے دن حرام کیا

۵۔ جنگِ ہوازن میں (سرزمین اوطاس پر) حلال کیا گیا

۶۔ حجۃ الوداع میں پیغمبر اکرمؐ کی زندگی کے آخری سال میں اسے حلال قرار دیا گیا ہے (۲)

ان سب اقوال سے تعجب آور امام شافعی کا کلام ہے وہ کہتے ہیں "مجھے متحدہ کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں ملی جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے حلال کیا ہو پھر حرام کر دیا ہو اس کے بعد دوبارہ حلال کیا ہو اور پھر حرام کر دیا ہو" (۳)

ہر شخص ان متضاد روایات کا مشاہدہ کر کے اس بات کا اطمینان حاصل کر لیتا ہے کہ یہ روایات جعلی اور ایک سیاسی منصوبہ بندی کے تحت جعل کی گئی ہیں۔

بہترین راہ حل

حقیقت یہ ہے کہ ان مختلف اور متضاد اقوال کو دیکھ کر ہر انسان اس مسئلہ میں تحقیق و جستجو

ہو گیا پھر حرام ہو گیا! کیا احکام الہی کھیل ہیں کہ جو ہر روز تبدیل ہوتے رہیں۔

ان سب باتوں سے قطع نظر رسول اللہ کے زمانے میں متحدہ کا مباح ہونا حتماً ایک ضرورت کی وجہ سے تھا اور وہ ضرورت دوسرے زمانوں میں بھی موجود ہے۔ بالخصوص ہمارے زمانے میں مغربی ممالک کی طرف طولانی سفر کرنے والے بعض جوانوں کے لیے یہ ضرورت حیات کے ساتھ موجود ہے پس متحدہ کیوں حرام ہو؟

اس زمانے میں اسلامی معاشرے میں جذبات بھڑکانے کے عوامل اتنے زیادہ نہیں تھے۔ بے پردہ عورتیں، فلمیں، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ، ڈش، فساد والی محفلیں اور فاسد لٹریچر وغیرہ جو سب کچھ آج کے زمانے میں بہت سے جوانوں کے دامن گیر ہوتے ہیں اُس زمانے میں نہیں تھے۔ اُس زمانے میں متحدہ کو ایک احتیاج اور ضرورت کے عنوان سے جائز قرار دیا گیا اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے؟ کیا یہ بات قابل قبول ہے؟

ان سب اولہ سے چشم پوشی کرتے ہوئے فرض کر لیتے ہیں کہ بہت سے فقہائے اسلام اس کو حرام شمار کرتے ہیں اور فقہاء کا ایک گروہ اس کو جائز سمجھتا ہے۔ اور یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ پس اس صورت میں یہ سزاوار نہیں ہے کہ حلال کے طرفدار لوگ اسے حرام سمجھنے والوں یا احکام دین کی پابندی نہ کرنے کی تہمت لگائیں۔ اسی طرح اسکی حرمت کے قائل افراد کیلئے یہ سزاوار نہیں کہ اسے مباح سمجھنے والوں پر معاذ اللہ زنا کے طرفدار ہونے کی تہمت لگائیں۔ اگر ایسا کریں تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے حضور کیا جواب دیں گے؟ پس پتہ چلتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ایک اجتہادی اختلاف ہے۔

جناب فخر رازی اس قسم کے مسائل میں ایک خاص تعصب رکھنے کے باوجود اپنی تفسیر میں

طرف مائل ہوتا اور سوچتا ہے کہ ایسا کونسا واقعہ رونما ہوا ہے کہ مسئلہ میں اس قدر متضاد وقتاً قضا روایات بیان کی گئی ہیں اور ہر محدث یا فقیہ نے کیوں اپنا جداگانہ راستہ اختیار کیا ہے؟ ان متضاد روایات کے درمیان کس طرح جمع کیا جاسکتا ہے؟

کیا یہ سب اختلاف اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس مقام پر کوئی نازک سیاسی مسئلہ درپیش تھا جس نے حدیث گھڑنے والوں کو اس بات پر ابھارا کہ روایات جعل کریں اور اصحاب رسول کے نام سے سوء استفادہ کرتے ہوئے ان روایات کو انکی طرف نسبت دیں کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ اور وہ سیاسی مسئلہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ خلیفہ دوم نے کہا تھا ”دو چیزیں رسول اللہ کے زمانے میں حلال تھیں اور میں انہیں حرام کر رہا ہوں ان میں سے ایک ”صحۃ النساء ہے“۔ اس بات کا ایک عجیب منفی اثر تھا کیونکہ اگر امت کے افراد یا خلفاء، اسلام کے احکام کو اس صراحت کے ساتھ تبدیل کر دیں تو پھر یہ کام صرف خلیفہ ثانی کے ساتھ مخصوص نہ رہتا بلکہ دوسروں کو بھی یہ حق مل جاتا کہ رسول اللہ کی نص کے مقابلے میں اجتہاد کریں۔ اور اس صورت میں احکام اسلام یعنی واجبات اور محرمات کے درمیان ہر جہ و مرج پیدا ہو جاتا اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے دامن میں کچھ باقی نہ رہتا۔

اس منفی اثر کو ختم کرنے کے لیے ایک گروہ نے یہ کام شروع کیا کہ کہنے لگے: ان دو احکام کی حرمت خود رسول اللہ کے زمانے میں واقع ہوئی تھی۔ ہر ایک نے نئی حدیث گھڑ لی اور امت اصحاب رسول کی طرف نسبت دے دی۔ کیونکہ کوئی بھی حدیث واقعیت نہیں رکھتی تھی اس لیے ایک دوسرے سے متضاد بن گئیں!!

ورنہ کیسے ممکن ہے کہ اتنی احادیث ایک دوسرے کے مخالف ہوں حتیٰ کہ بعض فقہاء کو ان کے درمیان جمع کرنے کے لیے کہنا پڑا کہ متحدہ ایک زمانے میں مباح تھا پھر حرام ہو گیا پھر مباح

فرماتے ہیں کہ ”ذهب السواد الاعظم من الامة الى انها صارت منسوخة و قال السواد منهم انها بقيت كما كانت“ امت کی اکثریت قائل ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے لیکن ایک گروہ قائل ہے کہ یہ حکم اسی طرح باقی ہے“ (۱) یعنی یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

ہم اس جگہ نکاح موثقت کی بحث کو تمام کرتے ہیں۔ اور سب لوگوں سے امید کرتے ہیں کہ تہتیں لگانے اور بغیر علم کے قضاوت کرنے کی بجائے ایک بار پھر اس مسئلہ پر تحقیق اور اس کے بعد قضاوت کریں۔ یقیناً انہیں اطمینان ہو جائیگا کہ متعدد آج بھی ایک حکم الہی ہے اور شرائط کی پابندی کرتے ہوئے یہ آج بھی بہت سی مشکلات کو حل کرتا ہے۔

۶

## زمین پر سجدہ

## عبادات میں سجدہ کی اہمیت:

اسلام کی نظر میں سجدہ، اللہ تعالیٰ کی سب سے اہم یا اہم ترین عبادات میں سے ایک ہے۔ اور جیسا کہ احادیث میں بیان کیا گیا ہے، کہ انسان سجدہ کی حالت میں دیگر تمام حالات کی نسبت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوتا ہے۔ تمام بزرگان دین بالخصوص رسول اکرمؐ اور اہلبیتؑ بہت طویلانی سجدے کیا کرتے تھے۔ خدا کی بارگاہ میں طویلانی سجدے انسان کی روح اور جان کی نشوونما کرتے ہیں۔ اور یہ اس لمبیزل کی بارگاہ میں خضوع اور عبودیت کی سب سے بڑی علامت شمار ہوتے ہیں۔ اسی لیے نماز کی ہر رکعت میں دو سجدے بجالانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح سجدہ شکر اور قرآن مجید کی تلاوت کے دوران مستحب اور واجب سجدے بھی اسی سجدہ کا واضح ترین مصداق شمار ہوتے ہیں۔

انسان سجدہ کی حالت میں سوائے خدا کے ہر چیز کو بھول جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے بہت نزدیک پاتا ہے اور گویا وہ اپنے آپ کو بساط قرب پر پاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سیر و سلوک و عرفان کے اساتید اور اخلاق کے معلم حضرات، سجدہ کے مسئلہ پر انتہائی تاکید فرماتے ہیں۔

حقیقت میں سجدہ خضوع کا آخری درجہ ہے اور یہ درجہ خداوند عالم کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہذا کسی اور شخص یا چیز کے لیے سجدہ کرنا گویا خداوند عالم کے برابر قرار دینا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک توحید کے معانی میں سے ایک معنی ”توحید و عبادت“ ہے یعنی پرستش اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں: غیر خدا کی عبادت کرنا شرک کی ایک قسم ہے اور سجدہ عبادت شمار ہوتا ہے۔ اس لیے غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اور جو سجدہ ملائکہ نے حضرت آدم کو کیا تھا (اور اس کا قرآن مجید میں کئی مقامات پر تذکرہ ہے) مفسرین کے بقول یا تو یہ حضرت آدم کی تعظیم، بکریم اور احترام کا سجدہ تھا نہ عبادت کا سجدہ، بلکہ اسی سجدہ سے ملائکہ کی مراد یہ تھی کہ چونکہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے لہذا اس ذات حق کی عبودیت ہے۔ اور یا یہ حکم خدا کا سجدہ تھا۔ اسی طرح جو سجدہ حضرت یعقوب اور ان کے بیوی بچوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے کیا تھا اور اسے قرآن مجید نے ”خو و لہ سُجَّدًا“ اور سب ان کے سامنے سجدہ میں گر پڑے کے الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ہو کر تھا۔ یا ایک قسم کی تعظیم، بکریم اور احترام کے معنی میں سجدہ تھا۔

اور قابل توجہ یہ ہے کہ ”وَسَائِلُ الشَّيْعَةِ“ کہ جو ہماری کتب حدیث کا ایک مصدر شمار ہوتی ہے، میں سجدہ نماز کے ابواب میں ایک مکمل باب ”عدم جواز السجود بغیر اللہ“ کے عنوان سے ذکر ہوا ہے اور اس میں پیغمبر اکرم اور آئمہ معصومین علیہم السلام سے سات احادیث نقل کی گئی ہیں کہ غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (۱)

(۱) مسائل فقہیہ، جلد ۳، ص ۹۸۳۔

مذکورہ بالا مطالب اس مشہور حدیث پر ایک روشن دلیل ہیں کہ انسان کا کوئی عمل بھی شیطان کو اتنا پریشان نہیں کرتا جتنا سجدہ اسے پریشان کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ”جناب ختمی مرتبت نے اپنے ایک صحابی کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اگر چاہتے ہو کہ قیامت کے دن میرے ساتھ محشور ہو تو خداوند قہار کے حضور طولانی سجدے انجام دیا کرو“

وَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ يُحْشَرَكَ اللَّهُ مَعِيَ فَاُجْلِبِ السُّجُودَ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ (۱)

غیر خدا کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اس واحد و یکتا پروردگار کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سجدہ انتہائی عاجزی اور خضوع کی علامت اور پرستش کا روشن مصداق ہے اور پرستش و عبودیت صرف ذات خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت ”وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ (۲) میں کلمہ ”اللہ“ کو مقدم کیا گیا ہے اور یہ تقدیم حصر پر دلالت کر رہی ہے یعنی زمین اور آسمان کی ہر چیز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے!

اسی طرح سورہ اعراف کی ۲۰۶ نمبر آیت ”وَلَهُ يَسْجُدُونَ“ بھی اس بات پر بہترین دلیل ہے کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین فرمالیجئے کیونکہ آئندہ اسی گفتگو سے ہم نتیجہ اخذ کریں گے۔

### کس چیز پر سجدہ کرنا چاہیے:

کتب اہلیت کے بیروکاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین کے علاوہ کسی چیز پر سجدہ نہیں ہو سکتا ہے، ہاں البتہ جو چیزیں زمین سے آگئی ہیں اور کھانے و پینے کے کام نہیں آتیں جیسے درختوں کے پتے اور لکڑی وغیرہ اسی طرح حصیر و بوریا وغیرہ۔ ان پر سجدہ کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ علماء اہلسنت عام طور پر معتقد ہیں کہ ہر چیز پر سجدہ کیا جاسکتا ہے۔ ہاں ان میں سے صرف بعض علماء نے لباس کی آستین اور عمامہ و چوڑی کے گوشے کو مستثنیٰ کیا ہے کہ ان پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں کتب اہلیت والوں کی دلیل، رسول خدا اور آئمہ اطہار سے نقل ہونے والی احادیث اور اصحاب کا عمل ہے۔ ان محکم ادلہ کی وجہ سے وہ اس عقیدہ پر اصرار کرتے ہیں اور اس لیے مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ قالین وغیرہ پر سجدہ نہ کریں بلکہ پتھر پر سجدہ کریں اور کبھی حصیر اور مصلیٰ وغیرہ اپنے ساتھ لاتے ہیں اور اس پر سجدہ کرتے ہیں۔

ایران، عراق اور دیگر شیعہ نشین ممالک کی تمام مساجد میں چونکہ قالین بچھے ہوئے ہیں اس لیے خاک سے "سجدہ گاہ" بنا کر اسے قالین پر رکھتے ہیں اور اس پر سجدہ کرتے ہیں تاکہ پیشانی کو کہ جو تمام اعضاء میں اشرف و افضل ہے اللہ تعالیٰ کے حضور، خاک پر رکھا جاسکے۔ اور اس ذات احدیت کی بارگاہ میں انتہائی تواضع و انکساری کا مظاہرہ کیا جاسکے۔ کبھی یہ "سجدہ گاہ"

شہداء کی تربیت سے بنائی جاتی ہے تاکہ راہ خدا میں ان کی جاٹاری کی یاد تازہ ہو اور نماز میں زیادہ سے زیادہ حضور قلب حاصل ہو سکے۔ اور پھر شہدائے کربلا کی تربیت کو دوسری ہر قسم کی خاک پر ترجیح دی جاتی ہے لیکن شیعہ ہمیشہ اس تربیت یا دوسری خاک کے پابند نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے مساجد کے محنوں میں لگے ہوئے پتھروں (جیسے مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے محن والے سنگ مرمر) پر بھی با آسانی سجدہ کر لیتے ہیں (غور کیجئے)

بہر حال کتب اہلیت کے پاس زمین پر سجدہ کے وجوب کے بارے میں بہت سی ادلہ ہیں من جملہ تغیر اکرم کی احادیث، صحابہ کی سیرت جو آئندہ بحث میں بیان ہوگی اور آئمہ اطہار سے نقل ہونے والی روایات کہ جنہیں ہم عنقریب نقل کریں گے۔

ہمیں تعجب یہ ہے کہ بعض اہلسنت برادران ہمارے اس فتویٰ کے مقابلے میں کیوں استغناء شدید رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کبھی اسے بدعت سے تعبیر کرتے ہیں حتیٰ بعض اوقات اسے کفر اور نبت پرستی شمار کرتے ہیں۔

اگر ہم خود ان کی اپنی کتابوں سے ثابت کر دیں کہ رسول خدا اور ان کے اصحاب، زمین پر سجدہ کرتے تھے تو کیا پھر بھی یہ عمل بدعت ہوگا؟

اگر ہم ثابت کر دیں کہ بعض اصحاب جیسے جناب جابر ابن عبد اللہ انصاری وغیرہ جب شدید گرمی کی وجہ سے پتھر اور ریت گرم ہو جاتی تھی تو وہ کچھ مقدار ریت کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں تبدیل کرتے تھے تاکہ کچھ ٹھنڈی ہو جائے اور اس پر سجدہ کیا جاسکے (۱) تو کیا اس صورت میں جناب جابر ابن عبد اللہ کو بت پرست یا بدعت گزار شمار کرنا گمراہی ہے؟

زمین پر سجدہ

کیونکہ دنیا پرست لوگ کھانے اور پہننے والی چیزوں کے بندے ہوتے ہیں۔ جبکہ وہ شخص جو سجدہ کر رہا ہے سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہے پس مناسب نہیں ہے کہ انسان اپنی پیشانی کو سجدہ کی حالت میں ایسی چیزوں پر رکھے جو دنیا پرستوں کے معبود ہیں اور انکی زرق و برق کے وہ فریفتہ ہیں۔

اس کے بعد امام رحمہ اللہ نے اضافہ فرمایا: ”والتسجود علی الارض افضل لانه ابلغ للواضع والخضوع لله عز وجل“ کہ زمین پر سجدہ کرنا افضل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور بہر طور پر خضوع و تواضع اور انکساری کی علامت ہے۔ (۱)

### ۴۔ مسئلہ کی اولتہ:

اب ہم اس مسئلہ کی اولتہ بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلے رسول اکرمؐ کے کلام سے شروع کرتے ہیں:

الف) زمین پر سجدہ کے سلسلہ میں معروف حدیث نبوی:

اس حدیث کو شیخ وائل سنت نے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”جعلت لى الارض مسجداً وطهوراً“ کہ زمین میرے لیے محل سجدہ اور طہارت (تہنم) قرار دی گئی ہے۔ (۲)

بعض علماء نے یہ خیال کیا ہے کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ پوری روئے زمین اللہ کی عبادت کا مقام ہے۔ پس عبادت کا انجام دینا کسی معین مقام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ یہود

(۱) طحطاوی، ص ۳۳۱۔

(۲) مشکوٰۃ، جلد ۱، ص ۹۱، سنن بیہقی، جلد ۲، ص ۳۳۳ اور بہار شریعت، جلد ۱، ص ۳۳۱۔

پس جو شخص حصر پر سجدہ کرتا ہے یا ترجیح دیتا ہے کہ مسجد الحرام یا مسجد نبویؐ کے فرش پر سجدہ کرے تو کیا وہ حصر کی پرستش کرتا ہے یا مسجد کے فرش کی پوجا کرتا ہے؟!

کیا ضروری نہیں ہے کہ یہ برادران اس موضوع پر مشتمل ہماری ہزاروں فقہی کتابوں میں سے کم از کم ایک کتاب کا مطالعہ کریں تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ ان ناروانہستوں میں ازوہ برابر بھی حقیقت کی جھلک نہیں ہے؟

آیا کسی پر بدعت یا کفر و بت پرستی کی تہمت لگنا، کم گناہ ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے آسانی سے معاف کر دے گا؟

اس بات کو جاننے کے لیے کہ کیوں شیخ زمین پر سجدہ کرتے ہیں، امام صادق رحمہ اللہ ہی اس حدیث کی طرف توجہ کافی ہے۔ ہشام بن حکم نے کہ جو امام کے خصوصی اصحاب میں سے تھے سوال کیا، کہ کسی چیز پر سجدہ کیا جاسکتا ہے اور کسی چیز پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے؟ امام نے جواب میں فرمایا ”السجود لا يجوز الا على الارض او ما انت الارض الا ما اكل او لبس“ کسی چیز پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے مگر صرف زمین پر یا ان چیزوں پر جو زمین سے آئی ہیں اور کھانے اور پہننے کے کام نہیں آتیں ہشام کہتا ہے میں نے عرض کی آپؐ پر قربانا ہو جاؤں اس کی حکمت کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ”لان التسجود هو الخضوع لله عز وجل فلا ينبغي ان يكون على ما يؤكل ويلبس لان ابناء الدنيا غيب ما ياكلون ويلبسون والساجدة في سجوده في عبادة الله فلا ينبغي ان يضع جبهته في سجوده على معبود ابناء الدنيا الذين اغتروا بغرورها“ کیونکہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خضوع اور انکساری ہے اس لیے مناسب نہیں ہے کہ انسان کھانے اور پہننے کی چیزوں پر سجدہ کرے۔

زمین پر سجدہ

پارہائی دن زمین پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ سجدہ کے آثار آپ کی پیشانی اور ناک پر نمایاں تھے۔ (۱)

اگر سجدہ کپڑے یا درمی وغیرہ پر جائز ہوتا تو ضرورت نہیں تھی کہ آنحضرتؐ بارش کے دن بھی زمین پر سجدہ کریں۔

حضرت عائشہؓ نیز فرماتی ہیں "ما را ایٹ رسول اللہ متقیاً وجہہ بشیء" میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آنحضرتؐ (سجدہ کے وقت) اپنی پیشانی کسی چیز سے ڈھانپ لیتے ہوں" (۲)

ابن حجر اسی حدیث کی تشریح میں کہتے ہیں: کہ یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سجدہ میں اصل یہ ہے کہ پیشانی زمین پر لگے لیکن اگر قدرت نہ ہو تو پھر یہ واجب نہیں ہے۔ (۳)

ایک دوسری روایت میں جناب میمونہ (رسول اکرمؐ کی ایک دوسری زوجہ) سے یوں نقل ہوا ہے کہ "و رسول اللہ یصلی علی الخمرۃ فیسجد" پیغمبر اکرمؐ حیر (چٹائی) پر نماز پڑھتے اور اس پر سجدہ کرتے تھے۔

اہلسنت کی معروف کتاب میں حصہ در روایات نقل ہوئی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ "خمرہ" پر نماز پڑھتے تھے (خمرہ اس چھوٹے سے مصلیٰ یا حیر کو کہتے ہیں جو کچھو کے پتوں سے بنایا جاتا تھا) تب یہ ہے کہ اگر شیعہ اسی طرح عمل کریں اور نماز پڑھتے وقت کوئی مصلیٰ بچالیں تو ان پر نفس حسب لوگوں کی طرف سے بدعت کی تہمت لگائی جاتی ہے۔ اور غصے کے ساتھ انہیں

(۱) کنز العمال، جلد ۱۲ ص ۱۲۶۔

(۲) صحیح ابن ابی شیبہ، جلد ۱ ص ۳۹۷۔

(۳) مشکوٰۃ، جلد ۱ ص ۳۰۳۔

و نصاریٰ گمان کرتے تھے کہ عبادت کو حنا کلیساؤں اور عبادت خانوں میں انجام دینا چاہیے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر حدیث کے حقیقی معنی کے ساتھ سازگار نہیں ہے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "زمین طہور بھی ہے اور مسجد بھی" اور ہم جانتے ہیں کہ جو چیز طہور ہے اور جس پر تیمم کیا جاسکتا ہے وہ زمین کی خاک اور پتھر ہیں پس سجدہ گاہ کو بھی وہی خاک اور پتھر ہونا چاہیے۔

اگر پیغمبر اکرمؐ اس معنی کو بیان کرنا چاہتے کہ جبکہ بعض اہلسنت کے علماء نے استفادہ کیا ہے تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ "جعلت لی الارض مسجداً و ترابھا طہورا" پوری سر زمین کو میرے لیے مسجد قرار دیا گیا اور اس کی خاک کو طہارت یعنی تیمم کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے" لیکن آپؐ نے یوں نہیں فرمایا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں مسجد سے مراد جائے سجدہ ہے لہذا سجدہ گاہ کو بھی اسی چیز سے ہونا چاہیے جس پر تیمم ہو سکتا ہے۔

پس اگر شیعہ زمین پر سجدہ کرنے کے پابند اور قائلین وغیرہ پر سجدہ کو جائز نہیں سمجھتے تو یہ کوئی غلط کام نہیں کرتے بلکہ رسول خداؐ کے دستور پر عمل کرتے ہیں۔

## (ب) سیرت پیغمبرؐ

حصہ در روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ بھی زمین پر سجدہ کرتے تھے، کپڑے یا قائلین وغیرہ پر سجدہ نہیں کرتے تھے۔

ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں یوں نقل ہوا ہے کہ "سجد رسول اللہؐ فی ہوی مطہر حتی انظر الی اثر ذلک فی جہتہ و ارنسہ" میں نے رسول خداؐ کو ایک

دیکھا جاتا ہے۔

حالانکہ یہ احادیث بتاتی ہیں کہ یہ کام تہہ برا کرم کی سنت ہے۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ سنت کو بدعت شمار کیا جائے!

مجھے نہیں بھولنا کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر مدینہ میں، میں مسجد نبویؐ میں ایک چھوٹی سی چٹائی پر نماز پڑھنا چاہتا تھا تو ایک متعصب وہابی عالم دین آیا اور اس نے بڑے ہٹے کے ساتھ چٹائی اٹھا کر کوٹنے میں پھینک دی گویا وہ بھی اس سنت کو بدعت سمجھتا تھا۔

### (ج) صحابہ اور تابعین کی سیرت

اس بحث میں دلچسپ موضوع یہ ہے کہ اگر ہم اصحاب اور ان کے بعد آنے والے افراد (یعنی تابعین) کے حالات کا غور سے مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے وہ بھی زمین پر سجدہ کرتے تھے مثال کے طور پر:

۱۔ جابر بن عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں "كنت أصلي مع النبي الظهر فاعل قبضة من الحصى فاجعلها في كفي ثم احولها الى الكف الأخرى حتى تعود ثم اضعتها لجبینی حتى اسجد عليها من شدة الحر" میں پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ نماز ظہر پڑھتا تھا۔ شدید گرمی کی وجہ سے کچھ سنگریزے ہاتھ میں لے لیتا تھا اور انہیں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں تبدیل کرتا رہتا تھا تاکہ وہ کچھ ٹھنڈے ہو جائیں اور ان پر سجدہ کر سکیں یہ کام گرمی کی شدت کی وجہ سے تھا" (۱)

(۱) منہاج، جلد ۳، ص ۳۲۷، سنن بیہقی، جلد ۱، ص ۳۳۹۔

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ زمین پر سجدہ کرنے کے پابند تھے، حتیٰ کہ شدید گرمی میں بھی اس کام کے لیے راہ حل تلاش کرتے تھے۔ اگر یہ کام ضروری نہ ہوتا تو اتنی زحمت کی ضرورت نہیں تھی۔

۲۔ انس بن مالک کہتے ہیں "كنا مع رسول الله في شدة الحر فباخذ أحدنا الحصى في يده فإذا برد وضعه وسجد عليه" ہم شدید گرمی میں رسولؐ کے ساتھ تھے ہم میں سے بعض لوگ کچھ سنگریزے ہاتھ میں لے لیتے تھے تاکہ ٹھنڈے ہو جائیں پھر انہیں زمین پر رکھ کر ان کے اوپر سجدہ کرتے تھے۔ (۱)

یہ پیغمبرؐ ہی بتاتی ہے کہ یہ کام اصحاب کے درمیان رائج تھا۔

۳۔ ابو عبیدہ نقل کرتے ہیں "ان ابن مسعود لا يسجد. او قال لا يصلي. الا على الأرض" کہ جناب عبد اللہ ابن مسعود صرف زمین پر سجدہ کرتے تھے یا یوں کہا کہ صرف زمین پر نماز پڑھتے تھے۔ (۲)

اگر زمین سے قالین یا دری وغیرہ مراد ہوتی تو کہنے کی ضرورت نہیں تھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمین سے وہی خاک: سیرت اور سنگریزے وغیرہ مراد ہیں۔

۴۔ عبد اللہ ابن مسعود کے ایک دوست مسروق بن اجدع کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ "كان لا يورخص في السجود على غير الأرض حتى في السفينة وكان يحمل في السفينة شيئاً يسجد عليه" وہ سوائے زمین کے کسی شے پر سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے حتیٰ اگر کشتی میں سوار ہونا ہوتا تو کوئی چیز اپنے ساتھ کشتی میں رکھ لیتے تھے جس پر،

(۱) السنن الکبریٰ، جلد ۲، ص ۱۰۶۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۱، ص ۳۹۷۔

پرجہ کرتے“ (۱)

۵۔ جناب علی ابن عبداللہ ابن عباس نے ”رزین“ کو خط میں لکھا ”ابعث السی بلوح من احجار المروۃ علیہ اسجد“ کہ مروہ کے پتھروں میں سے ایک مائے ساجہ میرے لیے بھیجنا تاکہ میں اس پر سجدہ کر سکوں“ (۲)

۶۔ کتاب فتح الباری (شرح صحیح بخاری) میں نقل ہوا ہے کہ ”کان عمرو ابن عبدالعزیز لا یکتفی بالخمرة بل یضع علیہا التراب ویسجد علیہ“ عمر ابن عبدالعزیز نماز کے لیے صرف چٹائی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر مٹی رکھ لیتے اور اس پر سجدہ کرتے تھے۔ (۳)

ان تمام روایات سے کیا سمجھ میں آتا ہے؟ کیا یہی سمجھ میں نہیں آتا کہ اصحاب اور ائمہ بعد آنے والے افراد کی (ابتدائی صدیوں میں) یہی سیرت تھی کہ زمین پر یعنی خاک، چھرا، ریت اور سنگریزوں وغیرہ پر سجدہ کرتے تھے۔

اگر آج ہمارے زمانے میں کچھ مسلمان اس سنت کو زندہ رکھنا چاہیں تو کیا اسے بدعت کے عنوان سے یاد کیا جائے؟

کیا فقہائے اہلسنت کو نہیں چاہیے کہ قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس سنت نبویؐ کو زندہ کریں، وہی کام جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی خضوع، انکساری اور عاجزی سے حکایت کرتا ہے اور سجدہ کی حقیقت کے ساتھ زیادہ سازگار ہے۔ (ایسے دن کی امید کے ساتھ)۔

(۱) طبقات الکبریٰ، ابن سعد، جلد ۶، ص ۵۳۔

(۲) اخبار مسند ازرقی، جلد ۲، ص ۱۵۱۔

(۳) فتح الباری، جلد ۱، ص ۳۱۰۔

۷

## جمع بین صلاتین

## بیان مسئلہ:

نماز خالق اور مخلوق کے درمیان ایک اہم ترین رابطہ اور تربیت کے ایک اعلیٰ ترین لائحہ عمل کا نام ہے۔ نماز خود سازی اور تزکیہ نفوس کا ایک بہترین وسیلہ اور فضاء و منکر سے روکنے والے عمل کا نام ہے۔ نماز قرب الہی کا بہترین ذریعہ ہے۔

اور باجماعت نماز مسلمانوں کی قوت و قدرت اور انکی صفوف میں وحدت کا مظہر اور اسلامی معاشرے کے لیے با افتخار زندگی کا باعث ہے۔

نماز اصولی طور پر دن رات میں پانچ مرتبہ انجام دی جاتی ہے جس سے انسان کے دل و جان ہمیشہ فیض الہی کے چشمہ زلال سے ڈھلتے رہتے ہیں۔

نماز کو رسول خداؐ نے اپنی آنکھوں کا نور قرار دیا اور اس کے لیے "قرۃ عینی فی الصلاۃ" (۱) ارشاد فرمایا اور اسے مؤمن کی معراج شمار کرتے ہوئے۔ "الصلوۃ معراج المؤمن" (۲) کی صدا بلند کی اور اسے متقین کے لیے قرب الہی کے وسیلہ کے عنوان سے

(۱) مکالم الاخلاق ص ۳۶۱۔

(۲) اگرچہ جملہ کتب احادیث میں نہیں ملایں اس قدر مشہور ہے کہ علامہ مجلسی نے اپنے بیانات کے دوران اس جملہ سے استشاد فرمایا ہے (معارف القرآن ص ۳۰۳، ۳۰۸)۔

متعارف کرایا "الصلاة قربان کلی نفی" (۱)

اسن مقام پر موضوع سخن یہ ہے کہ کیا پانچ نمازوں کا پانچ اوقات میں علیحدہ علیحدہ انجام دینا ایک واجب حکم ہے؟ اور اس کے بغیر نماز باطل ہو جاتی ہے (بحسب طرح وقت سے پہلے نماز پڑھ لینا، اس کے باطل ہونے کا سبب بنتا ہے) یا اسے تین وقتوں میں انجام دیا جاسکتا ہے؟ (یعنی ظہر و عصر کی نماز اور مغرب و عشاء کی نماز کو جمع کر کے ادا کیا جائے) علمائے شیعہ مکتب اہلبیت کی پیروی کرتے ہوئے۔ عموماً اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ پانچ نمازوں کو تین وقتوں میں انجام دینا جائز ہے اگرچہ افضل و بہتر یہ ہے کہ نماز پچگانہ کو پانچ وقتوں میں انجام دیا جائے۔

لیکن علمائے اہلسنت کی اکثریت۔ سوائے چند ایک کے۔ اس بات کی قائل ہے کہ نماز پچگانہ کو علیحدہ علیحدہ پانچ اوقات میں انجام دینا واجب ہے (صرف عرفہ کے دن میدان عرفات میں ظہر و عصر کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا جاسکتا ہے اور عید قربان کی رات مشعر الحرام میں مغرب و عشاء والی نماز کو اکٹھا بجالایا جاسکتا ہے البتہ بہت سے علماء نے سفر اور بارش کے اوقات میں کہ جب نماز جماعت کے لیے مسجد میں رفت و آمد مشکل ہو دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کی اجازت دی ہے)۔

شیعہ فقہاء کی نظر میں۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ نماز پچگانہ کے جدا جدا پڑھنے کی فضیلت پر تاکید کے ساتھ۔ نمازوں کو تین اوقات میں بجالانے کی اجازت اور ترجیح کو ایک علیہ الثما شمار کیا جاتا ہے جسے امر نماز میں سہولت اور لوگوں کے لیے وسعت کی خاطر پیش کیا گیا ہے۔

اور اس اجازت کو روح اسلام کے ساتھ سازگار سمجھا جاتا ہے کیونکہ اسلام ایک "شريعة مسهلة و مسهلة" (آسان و سہل) ہے۔

تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ نماز کے لیے پانچ وقتوں پر علیحدہ علیحدہ تاکید کبھی اس بات کا سبب بنتی ہے کہ اصل نماز بالکل فراموش ہو جائے اور بعض لوگ نماز کو ترک کر دیں۔

### اسلامی معاشروں میں پانچ اوقات پر اصرار کے آثار:

اسلام نے کیوں عرفہ کے دن ظہر و عصر کی نماز اور مشعر الحرام میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت دی ہے؟

کیوں بہت سے اہلسنت فقہاء، روایات نبویؐ کی روشنی میں سفر کے دوران اور بارش کے اوقات میں دو نمازوں کے اکٹھا پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں؟ یقیناً امت کی سہولت کی خاطر یہ احکام نازل ہوئے ہیں۔

یہ تسہیل تقاضا کرتی ہے کہ دیگر مشکلات میں بھی چاہے سابقہ زمانے میں ہوں یا اس دور میں۔ نماز کے جمع کرنے کی اجازت دینی چاہیے۔

ہمارے زمانے میں لوگوں کی زندگی تبدیل ہو چکی ہے۔ کارخانوں میں بہت سے مزدوروں، دفتروں میں بہت سے ملازمین اور کلاسوں میں بہت سے طالب علموں کو پانچ وقت نماز کی فرصت نہیں ملتی ہے یعنی انکے لیے کام کرنا کافی دشوار اور پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

پس ان روایات کے مطابق جو بغیر اکرمؐ سے نقل ہوئی ہیں اور آئمہ طاہرینؑ نے ان پر تاکید کی ہے اگر لوگوں کو دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کی اجازت دینا چاہیے تو اس بات پر

انکے کام میں سہولت حاصل ہوگی۔ اور نماز پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ جائیگی۔

اگر ایسا نہ کیا جائے تو ترک نماز میں اضافہ ہوگا اور تارک صلوٰۃ لوگوں کی تعداد بڑھتی جائیگی شاید یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہلسنت کے جوان نماز کو چھوڑتے ہیں اور اہل تشیع میں تارکین نماز کی تعداد بہت کم ہے۔

انصاف یہ ہے کہ "بُعِثْتُ إِلَى الشَّرِيعَةِ السَّهْلَةِ السَّهْلَةِ" (۱) اور رسول اللہ سے نقل ہونے والی متعدد روایات کی روشنی میں لوگوں کو تین اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت دینی چاہیے اسی طرح فراہمی نماز کی بھی اجازت دینی چاہیے تاکہ زندگی کی مشکلات و ترک نماز کا موجب نہ بنے۔ اگرچہ اسلام میں پانچ وقت نماز کی فضیلت پر تاکید ہوئی ہے اور وہ بھی جماعت کے ساتھ۔

## دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کے جواز پر روایات:

اہلسنت کی معروف کتب جیسے صحیح مسلم، صحیح بخاری، سنن ترمذی، مؤطا، مالک، مسند احمد، سنن نسائی، مصنف عبدلرزاق اور دیگر مشہور کتابوں میں تقریباً تیس ۳۰ روایات نقل کی گئی ہیں جن میں بغیر سفر اور مطر (بارش) کے، بغیر خوف اور ضرر کے، نماز ظہر و عصر یا نماز مغرب و عشاء کے اکٹھا پڑھنے کو نقل کیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثر روایات کو ان پانچ مشہور اصحاب نے نقل کیا ہے۔

۱۔ ابن عباس ۲، جابر ابن عبد اللہ انصاری ۳، ابو یوسف انصاری ۴، عبد اللہ ابن عمر ۵، ابو ہریرہ، ان میں سے بعض کو ہم قارئین محترم کے لیے نقل کرتے ہیں۔

۱۔ ابو ہریرہ نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ "صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا بِالْمَدِينَةِ فِي غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا سَفَرٍ" رسول اللہ نے مدینہ میں بغیر کسی خوف اور سفر کے نماز ظہر اور عصر کو اکٹھا انجام دیا۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں میں نے سعید ابن جبیر سے پوچھا کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایسا کیوں کیا؟ تو وہ کہنے لگے کہ یہی سوال میں نے ابن عباس سے کیا تھا تو انہوں نے جواب میں کہا تھا "أَرَادَ أَنْ لَا يَحْجُجَ أَحَدًا مِنْ أُمَّتِهِ" آنحضرتؐ کا مقصد یہ تھا کہ میری امت کا کوئی مسلمان بھی رستہ میں نہ پڑے" (۱)

۲۔ ایک اور حدیث میں ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے "جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي الْمَدِينَةِ فِي غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ" پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ میں بغیر کسی خوف اور بارش کے نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشاء کو اکٹھا انجام دیا۔"

حدیث کے ذیل میں آیا ہے کہ جب ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ پیغمبر اکرمؐ کا اس جمع بن ملائین سے کیا مقصد تھا تو انہوں نے جواب میں کہا "أَرَادَ أَنْ لَا يَحْجُجَ" آنحضرتؐ کا یہ مقصد تھا کہ کوئی مسلمان بھی رستہ و مشقت سے دو چار نہ ہو۔ (۲)

۳۔ عبد اللہ ابن شعیب کہتے ہیں:

"خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمًا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَبَدَأَتِ النُّجُومُ وَجَعَلَ النَّاسُ يَقُولُونَ الصَّلَاةُ، الصَّلَاةُ! قَالَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ لَا

۵۔ سعید بن جبیر، ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ:

”جمع رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بین الظہر والعصر و بین المغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر قال: فقيل لأبن عباس: ما أراكَ بذلك؟ قال أراكَ أن لا يخرج أمته“ (۱)

”غیر اکرمؓ نے مدینہ میں بغیر دشمن کے خوف اور بارش کے، ظہر و عصر کی نماز، اسی طرح مغرب و عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا، ابن عباس سے پوچھا گیا کہ آنحضرتؐ کا اس کام سے کیا متعدد تھا؟ تو انہوں نے کہا آپؐ پاچے تھے کہ انکی امت مشقت میں نہ پڑے“

۶۔ امام احمد ابن حنبل نے بھی اسی کے مشابہ حدیث اپنی کتاب مسند میں ابن عباس سے نقل کی ہے۔ (۲)

۷۔ امام مالک نے اپنی کتاب ”موطا“ میں مدینہ کا تذکرہ کیے بغیر ابن عباس سے یہ حدیث نقل کی ہے:

”صلَّ رسولُ الله الظُّهْر والعصر جميعاً والمغرب والعشاء جميعاً في غير خوف ولا مطر“ (۳)

(۱) مشن ترمذی، جلد ۱۲، حدیث ۱۸۷۔

(۲) معاصم، جلد ۱، ص ۲۲۳۔

(۳) موطا مالک، جلد ۱، ص ۱۳۳۔

يفترو ولا يتننى: الصلوة، الصلوة فقال ابن عباس  
اتعلمنى بالسنّة لا أمّ لك ثم قال: رایت رسول الله  
جمع بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء قال  
عبد الله بن شقيق: فحاك في صدرى من  
ذلك شىء فأتيت أبا هريرة فسألته، فصدق  
مقالته“ (۱)

کہ ایک دن ابن عباس نے نماز عصر کے بعد خطبہ پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور ستارے ظاہر ہو گئے، لوگوں نے نماز، نماز کی آوازیں لگانا شروع کر دیں۔ ایسے میں جو حیم قبیلہ کا ایک آدمی آیا وہ مسلسل نماز و نماز کی صدائیں بلند کر رہا تھا اس پر ابن عباس نے کہا، تو مجھے سب رسولؐ سکھانا چاہتا ہے اے بے حسب و نسب! میں نے دیکھا ہے کہ رسولؐ نے نماز ظہر و عصر کو، اسی طرح نماز مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا ہے عبد اللہ بن شقیق کہتا ہے میرے دل میں شک سا پیدا ہو گیا، میں ابو ہریرہؓ کے پاس آیا اور ان سے یہی بات دریافت کی انہوں نے ابن عباس کے کلام کی تصدیق کی۔

۳۔ جابر ابن زید لکھتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا کہ: ”صلی النبی (ص) سبعاً جميعاً و ثمانیاً جميعاً“ غیبر اکرمؓ نے سات رکعتیں اور آٹھ رکعتیں اکٹھی پڑھیں ”(مغرب اور عشاء کی نماز اسی طرح ظہر اور عصر کی نماز کے اکٹھا پڑھنے کی طرف اشارہ ہے) (۲)

"رسولؐ نے ظہر و عصر کی نماز کو اسی طرح مغرب و عشاء کی نماز کو اکٹھا پڑھا حالانکہ تہہ تو دشمن کا خوف تھا اور نہ ہی ہارش کا خطرہ"

۸: "مصنف عبد الرزاق" نامی کتاب میں جناب عبد اللہ ابن عمرؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ:

"جمع لنا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم مقيماً غير مسافر بين الظاهر والعصر فقال رجل لأبي عمر: لم ترى النبي فعل ذلك؟ قال لأن لا يخرج أمته أن جمع رجل" (۱)

تو غیر اکرمؐ نے بغیر سفر کے یعنی قیام کی حالت میں ظہر و عصر کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا، کسی نے ابن عمرؓ سے پوچھا آپ کے خیال کے مطابق تو غیر اکرمؐ نے یہ کام کیوں کیا؟ اس پر انہوں نے کہا آپؐ نے یہ کام اس لیے انجام دیا کہ اگر امت میں سے کوئی ان دو نمازوں کو اکٹھا پڑھ لے تو رحمت میں جتنا نہ ہو (لوگ اس پر اعتراض نہ کریں)۔

۹۔ جابر ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ:

"جمع رسول الله (ص) بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء في المدينة للرخص من غير خوف ولا علة" (۲)

"رسولؐ نے مدینہ میں بغیر دشمن کے خوف اور بغیر کسی عذر کے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا تاکہ امت کے لیے اجازت اور رخصت بنے۔"

۱۰۔ ابو ہریرہؓ نے نقل کرتے ہیں کہ:

"جمع رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) بين الصلوتين في المدينة من غير خوف" (۱)

رسولؐ نے مدینہ میں بغیر دشمن کے خوف کے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھا۔  
ابو عبد اللہ بن مسعود بھی نقل کرتے ہیں کہ:

"جمع رسول الله (ص) بين الاولى والعصر والمغرب والعشاء فقيل له فقال: صنعته لئلا تكون امتي في حرج" (۲)

رسولؐ نے مدینہ میں ظہر و عصر کی نماز، اسی طرح مغرب و عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا۔ کسی نے آپؐ سے اس کے سبب کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ کام میں نے اس لیے کیا ہے تاکہ میری امت مشقت میں نہ پڑے۔

اسی طرح اور بہت سی احادیث موجود ہیں جو اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یہاں پر دو سوال پیش نظر ہیں:

۱۔ مذکورہ احادیث کا نتیجہ:

مذکورہ بالا تقریباً تمام احادیث میں "کہ جو اہلسنت کی مشہور اور درجہ اول کی کتب میں ذکر ہوئی ہیں اور ان کی سند بعض بزرگ اصحاب تک پہنچتی ہے" دو نکات پر تاکید کی گئی ہے:

(۱) مستطاب از جلد ۱، ص ۲۸۳۔

(۲) المستطاب از جلد ۱، ص ۲۱۹، حدیث ۱۰۵۲۵۔

(۱) مصنف عبد الرزاق، جلد ۲، ص ۵۵۶۔

(۲) المستطاب از جلد ۱، ص ۲۱۹۔

کہا جاتا کہ سب لوگ ہر زمان و مکان میں آسانی کے ساتھ روزانہ کی نمازوں کو بجالائیں۔  
قرآن مجید فرماتا ہے:

”وَمَا جُعِلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرْجٍ“ (۱)

۲۔ قرآن مجید اور نماز کے تین اوقات:

اسی مسئلہ میں تعجب کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی دو آیات میں جب نماز کے اوقات کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں یومیہ نمازوں کے لیے صرف تین اوقات ذکر کیے گئے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ کیوں ان بھائیوں میں سے ایک گروہ پانچ اوقات کے وجوب پر اصرار کرتا ہے۔ پانچ اوقات میں نماز کی زیادہ فضیلت کے بارے میں کسی کو انکار نہیں ہے۔ ہمیں بھی اگر تین اوقات شامل حال رہے تو پانچ اوقات میں نماز ادا کرتے ہیں۔

اختلاف صرف ان پانچ اوقات کے وجوب کے بارے میں ہے۔

۱۔ پہلی آیت سورہ ہود میں ہے: ”وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَلُوعِ النَّهَارِ وَزُلْفًا مِنَ اللَّيْلِ“  
دلائل کے دو اطراف میں اور رات کے کچھ حصے میں نماز ادا کرو۔۔۔۔۔ (۲)

”طلوعی النہار“ نماز صبح کی طرف جو دن کی ابتداء میں انجام دی جاتی ہے، اور نماز ظہر و عصر کی طرف اشارہ ہے کہ جن کا وقت سورج غروب ہونے تک باقی ہے۔ بالفاظ دیگر نماز ظہر و عصر کے وقت کا غروب آفتاب تک باقی رہنا اس آیت سے با آسانی استفادہ ہوتا ہے اور ”زُلْفًا مِنَ اللَّيْلِ“ کہ جس میں لفظ ”زُلْف“ استعمال ہوا ہے جس کے بارے میں ”مختار

۱۔ سورہ حج آیت ۸۷۔ اور اس نے تم پر دین کے سب سے کوئی حرج اور مشقت نہیں رکھی۔  
۲۔ سورہ ہود آیت ۱۱۳۔

ایک تو یہ کہ رسول خداؐ آنے دو نمازوں کو اس حال میں اکٹھا انجام دیا کہ کسی قسم کی مشکل جیسے دشمن کا خوف، سفر، بارش وغیرہ، درپیش نہیں تھی۔

اور دوسرے یہ کہ آپؐ کا مقصد ”امت کو رخصت دینا“ اور ”عسر و حرج سے نجات دلانا“ تھا۔

آیا ان نکات کی روشنی میں سزاوار ہے کہ بعض لوگ اعتراض تراشی کریں اور یوں کہیں کہ یہ اکٹھا پڑھنا اضطرابی موارد میں تھا؟ ہم کیوں حقائق سے چشم پوشی کریں، اور اپنے غلام نظریات کو رسول خداؐ کے صریح فرامین پر ترجیح دیں؟

خدا اور اس کے رسولؐ نے اجازت دی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ امت کے بعض متعصب لوگ اجازت نہیں دیتے! آخر کیوں؟

یہ لوگ کیوں نہیں چاہتے ہیں کہ مسلمان جوان ہر حال میں اور ہر جگہ پر، اسلامی ممالک کے اندر اور باہر، یونیورسٹیوں، دفاتروں اور کارخانوں میں اس اہم ترین اسلامی فریضہ (یعنی یومیہ نمازیوں) پر عمل کریں؟

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ اسلام قیامت تک ہر زمان اور ہر مکان کے لیے ہے۔

پیغمبر اکرمؐ یقیناً اپنی وسعت نظری کے ذریعہ تمام دنیا کے مسلمانوں اور تمام زمانوں اور صدیوں کے لوگوں کو مد نظر رکھے ہوئے تھے وہ جانتے تھے کہ اگر تمام لوگوں کو پانچ وقت میں نماز پڑھنے پر متعید کریں گے تو اس کے نتیجے میں بعض لوگ تارک الصلا ہو جائیں گے (جیسا کہ ہم آجکل دیکھ رہے ہیں) اسی لیے انہوں نے اپنی امت پر احسان کیا اور کام کو آسان

الصالح“ اور راقب نے کتاب المفردات میں لکھا ہے کہ یہ ”زلفۃ“ کی جمع ہے اور اسے رات کے ابتدائی حصوں کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ”زلفاً من الليل“ مغرب اور عشاء کے وقت کی طرف اشارہ ہے۔

بنابر این اگر بغیر اکرم نمازوں کو عام طور پر پانچ وقتوں میں انجام دیتے تھے تو وہ یقیناً ان پانچ اوقات کی فضیلت کے اعتبار سے تھا کہ جس کے ہم سب معتقد ہیں ہم کیوں قرآن مجید کی آیت کے ظہور سے چشم پوشی کریں اور دوسری تاویلوں کو تلاش کریں؟!

۲۔ دوسری آیت سورہ اسراء میں ہے: ”اقم الصلوة لیل لک الشمس الی غسق اللیل و قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہوداً“ نماز کو زوال آفتاب کے آثار سے رات کی تاریکی تک ادا کرو اسی طرح قرآن فجر (نماز صبح) ادا کرو۔۔۔۔۔۔ (۱)

”دلوک“ متماثل ہونے اور جھکنے کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں نصف النہار سے سورج کے تماثل کی طرف اشارہ ہے یعنی زوال کا وقت۔

”غسق اللیل“ رات کی تاریکی کے معنی میں ہے، بعض نے اسے رات کی ابتداء سے تعبیر کیا ہے اور بعض نے آدھی رات کے معنی میں اس کی تفسیر کی ہے۔ جیسا کہ راقب نے ”مفردات“ میں لکھا ہے کہ ”غسق“ رات کی تاریکی کی حدت کے معنی میں ہے اور یہ بھی آدھی رات کے وقت ہوتی ہے۔

ان معانی کے مطابق دلوک شمس سے نماز ظہر و عصر کے وقت کی ابتداء کی طرف اشارہ ہے اور غسق اللیل سے نماز مغرب و عشاء کے وقت کی انتہا کی طرف اشارہ ہے اور قرآن فجر سے

نماز صبح کی طرف اشارہ ہے۔

جناب فخر رازی نے اس آیت کی بہترین تفسیر بیان کی ہے، وہ یوں رقمطراز ہیں کہ:

”ان فسرنا الغسق بظهور اول الظلمة. وحكاہ عن

ابن عباس وعطاء والنضربین شعیب۔ کان

الغسق عبارة عن اول المغرب وعلى هذا

التقدير يكون المذکور فی الآية ثلاث اوقات

وقت الزوال ووقت اول المغرب ووقت الفجر، و

هذا يقتضى ان يكون الزوال وقتاً للظہر و

العصر فيكون هذا الوقت مشتركاً بین

الصلوتين وان يكون اول المغرب وقتاً

للمغرب والعشاء فيكون هذا الوقت مشتركاً

ايضاً بین هاتین الصلوتين فهذا يقتضى

جواز الجمع بین الظہر والعصر والمغرب و

العشاء مطلقاً“ (۱)

اگر ہم کلمہ غسق کو رات کی تاریکی کے آغاز کے معنی میں تفسیر کریں (جیسا کہ ابن

عباس عطاء اور نضربین شعیب بھی اسی کے قائل ہیں) تو اس وقت غسق سے مغرب

کے ابتدائی وقت کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور اس بناء پر آیت میں تین اوقات ذکر

ہوئے ہیں زوال کا وقت۔ غروب کا وقت اور فجر کا وقت۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ یہ تین اوقات تقاضا کرتے ہیں کہ زوال نماز ظہر و عصر کا مشترکہ اور غروب نماز مغرب و عشاء کا مشترکہ وقت ہو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نماز ظہر و عصر کو اسی طرح نماز مغرب و عشاء کو بغیر کسی قید و شرط کے اکٹھا پڑھا جاسکتا ہے۔

جناب فخر رازی نے یہاں تک تو بالکل صحیح بات بیان کی تھی اور آیت کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھا اور سمجھایا۔ لیکن اس کے بعد کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے پاس دلیل موجود ہے کہ دو نمازوں کے درمیان بغیر عذر و سفر کے جمع کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے ہم آیت کو عذر کی حالت میں محدود کریں گے۔ (۱)

موصوف کو یاد دہانی کرانی چاہیے کہ نہ صرف یہ کہ ہمارے پاس آیت کو صرف حال عذر میں محدود کرنے پر دلیل موجود نہیں ہے بلکہ حصہ دروایات موجود ہیں (جبکی طرف اشارہ ہو چکا ہے) کہ رسول خداؐ نے بغیر عذر اور بغیر سفر کے نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھنا کہ امت کو بھولت دی جاسکے اور وہ اس رخصت سے بہرہ مند ہو سکیں۔

علاوہ براین آیت کے اطلاق کو کس طرح انتہائی محدود و محدود کے ساتھ مختص کیا جاسکتا ہے حالانکہ علم اصول میں یہ بات مسلم ہے کہ تخصیص اکثر جائز نہیں ہے۔

بہر حال آیت نے بالکل وضاحت کے ساتھ نماز کے جو تین اوقات ذکر کیے ہیں ان سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے۔

سابقہ بیان سے ہم مندرجہ ذیل نتائج اخذ کرتے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید نے وضاحت کے ساتھ پانچ نمازوں کی تین اوقات میں بجا آوری کو جائز قرار دیا ہے۔

۲۔ فریقین کی کتب میں بیان کی جانے والی اسلامی احادیث سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے کئی مرتبہ دو نمازوں کو اکٹھا پڑھا حالانکہ نہ ہی سفر میں تھے اور نہ ہی کوئی اور مدد تھا۔ اور اس کام کو انہوں نے مسلمانوں کے لیے رخصت شمار کیا تا کہ وہ مشقت سے دوچار نہ ہوں۔

۳۔ اگرچہ پانچ اوقات میں نماز پڑھنا فضیلت ہے، لیکن اس فضیلت پر اصرار کرنے اور زہد کی راہ میں رکاوٹ بننے کی وجہ سے بہت سے لوگ بالخصوص جوان نسل اصل نماز سے غافل رہتے ہیں۔ اور اس بات کی تمام ذمہ داری ترخیص کے مخالفین کے دوش پر آتی ہے۔ کم از کم اہلسنت علماء اتنا قبول کر لیں کہ اس مسئلہ میں انکے جوان بھی مکتب اہلیت کے ہر وہ کاروں کے فتویٰ پر عمل کر لیں جیسا کہ بزرگ عالم دین شیخ الازہرؒ جناب شیخ محمد حلقوتؒ نے مذہب جعفریہ کے تمام فتاویٰ پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

آخر میں پھر ہم دوبارہ تاکید کرتے ہیں۔ کہ ہمیں قبول کرنا چاہیے کہ آج کل دنیا میں بہت سے مزدوروں، ملازمین، سکول و کالجوں کے طلب اور دیگر طبقات کے لوگوں کے لیے پانچ اوقات میں علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا بہت مشکل کام ہے۔ کیا ہمیں نہیں چاہیے کہ رسول خداؐ کی دعا کی اس سہولت سے استفادہ کریں جو آج کل کے معاشرے کو مد نظر رکھتے ہوئے عنایت کی گئی ہے تاکہ نسل جوان اور دیگر لوگ نماز ترک کرنے کے بہانے نہ بنائیں۔

کیا "سنت" پر اس حد تک اصرار کرنا صحیح ہے کہ جو "فریضہ" کے ترک کرنے کا سبب

۸

# وضو میں پاؤں کا مسح

## قرآن مجید اور پاؤں کا مسح:

وضو میں پاؤں کا مسح ایک اور ایسا اعتراض ہے جسے اہلسنت کے بعض علماء، شیعوں پر کرتے ہیں۔ چونکہ اُن کی اکثریت پاؤں دھونے کو واجب سمجھتی ہیں اور پاؤں کے مسح کو کافی نہیں سمجھتی۔

حالانکہ قرآن مجید نے بالکل واضح الفاظ میں پاؤں کے مسح کا حکم دیا ہے۔ اس طرح مکتب اہلبیت کے پیروکاروں کا عمل قرآن مجید کے بالکل مطابق ہے۔ اس کے علاوہ پیغمبر اکرمؐ کی بہت سی احادیث جن کی تعداد تقریباً تیس (۳۰) سے بھی زیادہ ہے پاؤں کے مسح کو بیان کر رہی ہیں۔ اور اس کے علاوہ بہت سے اصحاب اور تابعین (وہ لوگ جو اصحاب کے بعد والے زمانے میں تھے) کا عمل پاؤں کے مسح کے بارے میں موجود ہے نہ پاؤں دھونے کے بارے میں۔

لیکن مقام افسوس ہے کہ بعض مخالفین نے ان تمام اَدلّہ سے چشم پوشی کرتے ہوئے، بغیر کسی غور و فکر کے، ہم پر حملہ کرنا شروع کر دیا اور تند و تیز الفاظ کے ذریعے، حق و عدالت سے دوری اختیار کرتے ہوئے اس مذہب حقہ کے پیروکاروں کی سرزنش شروع کر دی ہے۔ ابن کثیر، مذہب اہلسنت کے معروف عالم دین اپنی کتاب ”تفسیر القرآن العظیم“ میں کہتے ہیں:

”روافض (ان کا مقصود اہلبیت کے پیروکار ہیں) نے وضو میں پاؤں دھونے کے مسئلہ میں مخالفت کی ہے اور جہالت و گمراہی کی وجہ سے بغیر کسی دلیل کے مسح کو کافی سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیت سے پاؤں دھونے کا وجوب سمجھا جاتا ہے۔ اور رسول خدا کا عمل بھی آیت کے مطابق تھا۔ حقیقت میں ان کے پاس اپنے نظریہ پر کوئی دلیل نہیں ہے!! (۱)

بعض دیگر علماء نے بھی اسکی اندھی تقلید کرتے ہوئے اسکی بات کو اخذ کر لیا ہے اور اس مسئلہ پر تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور اپنی دلخواہ نسبت شیعوں کی طرف دی ہے۔

شاید وہ اپنے تمام مخاطبین کو عوام تصور کر رہے تھے اور انہوں نے یہ نہ سوچا کہ ایک دن محققین انکی باتوں پر تنقید کریں گے اور (انہیں باطل ثابت کریں گے) اس طرح انہیں اسلامی تاریخ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔

اس وقت ہم سب سے پہلے قرآن مجید کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اس مسئلہ کا فیصلہ دریافت کرتے ہیں۔ سورۃ مائدہ (کہ جو پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہونے والی سب سے آخری سورت ہے) کی آیت نمبر ۶ میں یوں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ

فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَ

أَمْسِكُوا بُرُءُكُمْ وَارْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ“

اے صاحبان ایمان جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کعبینوں

تک دھو لو اور اپنے سر اور پاؤں کا ابھری ہوئی جگہ تک مسح کرو“

واضح ہے کہ کلمہ ”ارجلکم“ (اپنے پاؤں) کا کلمہ ”روسکم“ (اپنے سر) پر عطف ہے اور اس وجہ سے دونوں کا مسح کرنا واجب ہے نہ کہ دھونا۔ چاہے ”ارجلکم“ کو نصب کے ساتھ پڑھا جائے یا جمر کے ساتھ (غور کیجئے) (۱)

(۱) اس مطلب کی وضاحت یہ ہے کہ کلمہ ”ارجلکم“ کے اعراب کے بارے میں دو مشہور قرأتیں ہیں ایک جر کے ساتھ قرأت کہ جسے بعض مشہور قراء جیسے حمزہ، ابو مرزؤ، ابن کثیر اور حتی عاصم نے (ابو بکر کی روایت کے مطابق) لام کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسری طرف بعض مشہور قراء نے اسے نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور آجکل قرآن مجید کے تمام رائج فضوں میں اسی دوسری قرأت کے مطابق اعراب لگایا گیا ہے۔

لیکن دونوں اعراب کے مطابق یقیناً معنی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو بالکل واضح ہے کہ ”ارجلکم“ کا ”روس“ پر عطف ہے اس کا معنی یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کا مسح کرو (بخطرہ سر کا مسح کرتے ہو) اگر شیعہ اس قرأت کے مطابق عمل کریں کہ جس کے اور بھی بہت سے طرفدار ہیں تو اس میں کیا عیب ہے؟

اور اس سے بڑھ کر اگر فتح (زیر) کے ساتھ بھی پڑھا جائے پھر بھی ”ارجلکم“ کا عطف ”بروسکم“ کے محل پر ہوگا اور واضح ہے کہ برسوسکم محل کے اعتبار سے منصوب ہے کیونکہ ”وامسحوا“ کا مفعول ہے۔ پس دونوں صورتوں میں آیت کا معنی یہی ہے گا کہ پاؤں کا مسح کرو۔

ہاں بعض لوگوں نے یوں خیال کیا ہے کہ اگر ”ارجلکم“ کو فتح (زیر) کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا ”وجوہکم“ پر عطف ہوگا یعنی ہاتھ اور سر کو دھوئے اس طرح پاؤں کو دھو لیجئے!! حالانکہ یہ بات ادبیات عرب کے قواعد کے بھی خلاف اور قرآن مجید کی فصاحت کے ساتھ بھی سازگار نہیں ہے۔

بہر حال یہ بات ادبیات عرب کے اس لئے خلاف ہے کیونکہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کبھی اتنی جملہ واقع نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ایک معروف اہلسنت عالم کے بقول محال ہے کہ ”ارجلکم“ کا ”وجوہکم“ پر عطف ہو کیونکہ ہر فصیح عربی میں ایسا جملہ نہیں بولا جاتا ہے کہ مثلاً کوئی کہے ”حسب زیناً و مردث بیکرو وعمراً“

کہ ”میں نے زینہ کو مارا اور دیگر کے قریب سے گزرا اور عمر کو“ یعنی عمر کو بیکرو اور زینہ کو مردث بیکرو (۱)

بہر حال قرآن مجید نے پاؤں کے بارے میں مسح کا حکم دیا ہے۔

## عجیب توجیہات

بعض لوگوں نے جب قرآن مجید کے حکم کو اپنے پہلے سے معین کردہ مفروضہ کے خلاف دیکھا تو توجیہات کرنا شروع کر دیں۔ ایسی توجیہات کہ جو انسان کو حیران کر دیتی ہیں۔ من جملہ:

۱۔ یہ آیت سنت پیغمبرؐ کی وجہ سے اور جو احادیث آپؐ سے نقل ہوئی ہیں انکی خاطر منسوخ ہو گئی ہو! ابن حزم نے اپنی کتاب ”الاحکام فی اصول الاحکام“ میں لکھا ہے کہ ”چونکہ سنت میں پاؤں دھونے کا حکم آیا ہے اس لیے ہمیں قبول کرنا چاہیے کہ مسح والا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔“

جبکہ اولاً: تمام مفسرین نے اس بات کو قبول کیا ہے کہ سورہ مائدہ وہ آخری سورہ ہے جو پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوئی ہے اور اس کی کوئی بھی آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے۔

حتیٰ کہ عام افراد بھی اس قسم کا جملہ نہیں بولتے ہیں چہ جائیکہ قرآن مجید جو فصاحت کا اکل و اتم نمونہ ہے اس قسم کا جملہ بیان کرے۔

پس جس طرح طلحہ کے بعض محققین نے کہا ہے کہ بلا شک و شبہ نصب کی صورت میں کلمہ ”ادھنکم“ غلط تلفظ ”اسو و ذمکم“ کے نقل پر ہوگا اور ہر حال میں آیت کا مفہوم یہی ہے کہ دھو کر تے وقت سر اور ہاتھ

دینا: جس طرح عنقریب بیان کیا جائیگا کہ جہاں پیغمبر اکرمؐ سے وضو میں پاؤں دھونے والی روایات نقل ہوئی ہیں ان کے مقابلے میں آپؐ سے ہی متعدد روایات پاؤں کے مسح کے بارے میں بھی نقل ہوئی ہیں کہ آپؐ وضو میں پاؤں کا مسح کیا کرتے تھے۔

کس طرح ممکن ہے کہ ہم قرآن مجید کے دستور کو اس قسم کی روایات کے ذریعے نسخ کر دیں۔

علاوہ براین، تعارض روایات کے باب میں ثابت کیا گیا ہے کہ جب بھی روایات کے درمیان تضاد ہو تو قرآن مجید سے ان کی مطابقت کرنی چاہیے، جو روایات قرآن مجید کے مطابق ہوں انہیں قبول کر لینا چاہیے اور جو قرآن مجید کے مخالف ہوں ان پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ دوسرے کچھ افراد جیسے ”جصاص“ نے ”احکام القرآن“ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ ”وضو والی آیت مجمل ہے اور ہم احتیاط پر عمل کرتے ہوئے پاؤں دھو لیتے ہیں تاکہ دھونا بھی صادق آجائے اور مسح بھی“ (۱)

حالانکہ سب جانتے ہیں کہ (غسل) ”دھونا“ اور ”مسح کرنا“ دو مختلف اور متباین مفہوم ہیں اور دھونا ہرگز مسح کو شامل نہیں ہوتا ہے۔

لیکن کیا کیا جائے انکی پہلے سے تضادات انہیں قرآن مجید کے ظہور پر عمل نہیں کرنے دیتا۔

مجھے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حلال تھے میں اُن دونوں کو حرام کرتا ہوں اور جو بھی اس حکم کی مخالفت کریگا میں اسے سزا دوں گا، ایک صحیحہ النساء اور دوسرا صحیحہ حج (۱) (یعنی حج تمتع اپنے خاص احکام کے ساتھ) تو بہت کم یا اصلاً دیکھنے میں نہیں آیا ہے کہ اصحاب میں سے کسی نے اُن پر تنقید کی ہو اور کہا ہو کہ نص کے مقابلے میں اجتہاد جائز نہیں ہے (اور وہ بھی اس شدت کے ساتھ)۔

حالانکہ اگر ہمارے زمانے میں کوئی بڑے سے بڑا مسلمان فقیہ یا دانشمند کہہ دے کہ "فلان عمل رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حلال تھا اور میں اسے حرام کر رہا ہوں" سب اس پر تعجب کریں گے اور اس کی بات کو فضول اور غیر قابل قبول سمجھیں گے اور جواب میں کہیں گے کہ کسی کو بھی حق نہیں ہے کہ حرام خدا کو حلال یا حلال خدا کو حرام کر سکے کیونکہ احکام کو منسوخ کرنا یا نص کے مقابلے میں اجتہاد کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

لیکن اسلام کے ابتدائی زمانے میں اس طرح نہیں تھا۔ اسی لیے بعض موارد دیکھنے کو ملتے ہیں کہ جس میں فقہاء، احکام الہی کے مقابلے میں مخالفت کی جرأت کرتے تھے۔

شاید پاؤں پر مسح کے انکار اور اسے دھونے میں تبدیلی کرنے کا مسئلہ بھی اسی اجتہاد کا شکار ہوا ہوگا۔ شاید بعض لوگوں نے سوچا ہوگا کہ پاؤں چونکہ آلودگی کے نزدیک رہتے ہیں بہتر ہے کہ انہیں دھویا جائے چونکہ ان کے مسح کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

بالخصوص اُس زمانے میں تو بعض لوگ ننگے پاؤں رہتے تھے اور بالکل جوتے نہیں پہنتے تھے اسی وجہ سے آداب احترام مہمان میں سے ایک یہ تھا کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اس کے پاؤں دھلواتے تھے!

۳۔ جناب فخر رازی کہتے ہیں کہ حتیٰ اگر "جر" کے ساتھ بھی قرأت کی جائے یعنی "ارجلکم" کا "روؤسکم" پر عطف کیا جائے تو بالکل واضح طور پر یہ پاؤں کے مسح پر دلالت کرتا ہے، لیکن پھر بھی اس کا مقصد پاؤں کا مسح کرنا نہیں ہوگا، بلکہ پاؤں کے مسح سے مراد یہ ہوگی کہ پاؤں دھوتے وقت پانی استعمال کرنے میں اسراف نہ کرو (۱)

حالانکہ اگر آیات قرآن میں اس قسم کے اجتہاد اور تفسیر بالرائی کا دروازہ کھل جائے تو پھر ظاہر قرآن پر عمل کرنے کے لیے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ اگر ہمیں اجازت ہو کہ ہم "مسح" کو "دھوتے وقت اسراف نہ کرنے" کے معنی میں لے لیں تو پھر تمام آیات کے ظاہر کی دوسری طرح تفسیر کی جاسکتی ہے۔

### نص کے مقابلے میں اجتہاد اور تفسیر بالرائی:

بہت سے قرآن سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے زمانے میں اجتہاد اور مقابلے نص ایک قبیح اور غیر قابل قبول امر سمجھا جاتا ہے، اسلام کے ابتدائی زمانے میں اس طرح نہیں تھا۔ بالفاظ دیگر جس طرح آج ہم احادیث پیغمبر اور آیات قرآن کے مقابلے میں تعبد اور تسلیم محض رکھتے ہیں۔ اُس زمانے میں یہ تعبد اس حدت و قوت کے ساتھ نہیں تھا۔

مثلاً جب حضرت عمرؓ نے اپنے معروف جملے میں یوں کہا کہ "معتان کانتا محللتان فی زمن النبی و انا احرمهما و اعاقب علیهما متعة النساء و متعة الحج" دو

ہیں اپنی ناقص عقولوں کے ذریعے فلسفہ چینی کر کے اس حکم کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے اور اپنی مخالفتوں کی توجیہ کے لیے کلام خدا کی نامعقول توجیہات نہیں کرنی چاہئیں۔

تفسیر پارسی اور نص کے مقابلے میں اجتہاد دو ایسی عظیم معیشتیں ہیں جنہوں نے بعض مقامات میں فقہ اسلامی کے چہرے کو مخدوش کر دیا ہے۔

### جوتوں پر مسح کرنا!

واقعاً یہ عجیب بات کہ جس نے ہر غیر جانبدار محقق کو حیرت میں ڈال دیا ہے کہ یہی برادران کہ جو وضو میں پاؤں پر مسح کے جائز نہ ہونے پر اتنا اصرار کرتے ہیں اور پاؤں دھونے کو واجب سمجھتے ہیں۔ اکثر وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ پاؤں دھونے کی بجائے جوتوں پر مسح کیا جاسکتا ہے وہ بھی مجبوری کے عالم میں نہیں بلکہ اختیار کی حالت میں اور صرف سفر میں نہیں بلکہ سفر میں بھی اور ہر حال میں جوتوں پر مسح کیا جاسکتا ہے۔

واقعاً انسان اس قسم کے احکام پڑھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ پاؤں کا دھونا واجب تھا اور یا ہر جوتوں کے اوپر مسح جائز ہو گیا ہے!

البتہ ایک گروہ کہ جو فقہ اہلسنت کی نظر میں اقلیت شمار ہوتے ہیں جوتوں پر مسح کو جائز نہیں سمجھتے ہیں جیسے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام، جناب ابن عباس اور امام مالک کہ جو اہلسنت کے ایک امام ہیں (ان کے فتویٰ کے مطابق جوتوں پر مسح جائز نہیں ہے)۔

دلچسپ یہ ہے کہ حضرت عائشہ کہ اہلسنت برادران جنگے فتاویٰ اور روایات کے لیے نام اہمیت کے قائل ہیں، ایک مشہور حدیث میں فرماتی ہیں کہ ”لنن تقطع قدمایی احب الی من ان امسح علی الخفین“ اگر میرے دونوں پاؤں کاٹ دیے جائیں میرے لیے

ہماری اس بات پر گواہ صاحب تفسیر النار کا کی کلام ہے جسے انہوں نے آیت وضو کے ذیل میں پاؤں دھونے کے قائل افراد کی توجیہ میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”پاؤں پر ہاتھ کھینچ دینے سے، کہ جو اکثر اوقات غبار آلود اور کثیف ہوتے ہیں نہ صرف کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ پاؤں زیادہ کثیف ہو جاتے ہیں اور ہاتھ بھی آلودہ اور کثیف ہو جاتا ہے۔

اور اہلسنت کے معروف فقیہ ابن قدامہ (متوفی ۶۲۰ھ ق) بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ پاؤں چونکہ آلودگی کے نزدیک ہیں جبکہ سر اس طرح نہیں ہے لہذا مناسب ہے کہ پاؤں کو دھولیا جائے اور سر کا مسح کر لیا جائے (۱) اس طرح انہوں نے اپنے اجتہاد اور استحسان کو ظاہر قرآن پر ترجیح دیتے ہوئے مسح کو چھوڑ دیا ہے اور آیت کی غلط توجیہ کر دی ہے۔

اس گروہ نے شاید اس بات کو ٹھنڈا دیا ہے کہ وضو نفاذ اور عبادت دونوں کا مرتب ہے، سر کا مسح کرنا وہ بھی بعض کے فتویٰ کے مطابق صرف ایک انگلی کے ساتھ، نفاذ کا فائدہ نہیں دیتا ہے اس طرح پاؤں کا مسح بھی۔

حقیقت میں سر اور پاؤں کا مسح اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ وضو کرنے والا آدمی سر سے لیکر پاؤں تک اللہ تعالیٰ کا مطہر ہو۔ ورنہ نہ تو سر کا مسح نفاذ کا موجب بنتا ہے اور نہ ہی پاؤں کا مسح۔

بہر حال ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہیں اور ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ اپنی قاصر عقول کے ساتھ احکام الہی میں تبدیلیاں کریں۔ جس وقت قرآن مجید نے پیغمبر پر نازل ہونے والی آخری سورت میں حکم دے دیا ہے کہ اپنے ہاتھ اور منہ کو دھو لو اور سر اور پاؤں کا مسح کر لو تو

اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں (وضو میں) جوتوں پر مسح کروں" (۱)

جبکہ وہ دن رات پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ تھیں اور آپؐ کا وضو دیکھ چکی تھیں۔

بہر حال اگر یہ برادران اہل بیتؑ کی احادیث کی پیروی کرتے کہ جوتا ہر قرآن کے مطابق ہیں تو کبھی بھی پاؤں کے مسح کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہ کرتے۔

پیغمبر اکرمؐ نے معتبر اور صحیح حدیث میں فرمایا کہ "میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر چار ہا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسری میری عمرت اور اہلیت کہ اگر ان دونوں سے تمسک کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں میں، میں کسی سے تقیہ نہیں کرتا ہوں۔ مسکرات کے نہ پینے میں (چونکہ بعض فقہاء بنید کو جائز سمجھتے تھے) ۲۔ جوتوں پر مسح والے مسئلہ میں اور ۳۔ حج جمع میں۔ "ملاحۃ لا اتقئ فیہن احداً شرب المسکرو مسح الخفین و منعة الحج" (۲)

## پاؤں پر مسح اور احادیث اسلامی:

امامیہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ وضو میں پاؤں کے مسح کے علاوہ کوئی چیز قابل قبول نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ میں اہلیتؑ کے واسطے سے منقول روایات بھی بالکل واضح ہیں۔ آپؐ نے امام باقرؑ سے نقل کی گئی مذکورہ بالا روایت کو ملاحظہ فرمایا کہ جو بالکل واضح ہے، اسی قسم کی اور بہت سی روایات موجود ہیں۔

(۱) مسودہ نسخی، جلد ۱ ص ۹۸۔

(۲) کافی، ص ۳۳۰۔

یعنی جو احادیث اہلسنت کی کتب میں بیان ہوئی ہیں وہ ایک دوسرے سے مکمل طور پر انطباق رکھتی ہیں۔ دسیوں احادیث پاؤں پر مسح کی طرف اشارہ یا اسے بیان کرتی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ ہر مسح کے بعد پاؤں پر مسح کرتے تھے، جبکہ بعض دوسری احادیث میں پاؤں دھونے کو پیغمبرؐ کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ اور بعض میں جوتوں پر مسح کرنے کی نسبت دی گئی ہے! احادیث کی یہی قسم کہ جو صرف مسح کا حکم دیتی ہیں اہل سنت کی معروف کتب میں موجود ہیں جیسے:

۱۔ صحیح بخاری

۲۔ مسند احمد

۳۔ سنن ابن ماجہ

۴۔ مستدرک حاکم

۵۔ تفسیر طبری

۶۔ در المنثور

۷۔ کنز العمال

وغیرہ کہ ان کتب کا معتبر ہونا اہلسنت کے نزدیک مسلم ہے۔

اور ان روایات کے راوی بھی مشہور اصحاب میں سے ہیں۔ جیسے:

۱۔ امیر المؤمنین علیؑ

۲۔ جناب ابن عباسؓ

۳۔ انس بن مالکؓ (پیغمبر اکرمؐ کے مخصوص خادم)

۴۔ جناب عثمان بن عفانؓ

۵۔ ہریر بن سعیدؓ

۶۔ رقاہ

۷۔ ابو ظہیرؓ

یہ کمال ان روایات میں سے صرف پانچ کو نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ہمیں تعجب تو اسی جیسے مشہور مفسر کی بات پر ہے، وہ کہتے ہیں کہ پاؤں پر مسح کے بارے میں صرف ایک روایت ہے جو شیعوں کے لیے ثبوت بن گئی ہے!! (۱)

۱۔ عن علی ابن ابی طالب (ع) قال: کنت اری ان باطن القدامین احق بالمسح من ظاہرهما حتی رايت رسول الله (ص) یمسح ظاہرهما:

”امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں کہ میں خیال کرتا تھا کہ پاؤں کے نکلنے والی پٹت کی نسبت مسح کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں یہاں تک کہ میں نے رسول خداؐ کو دیکھا کہ پاؤں کی پشت پر مسح کرتے ہیں“ (۲)

۲۔ عن ابی مطر قال: بینما نحن جلوس مع علیؑ فی المسجد، جاء رجل الی علیؑ و قال: ارلی وضوء رسول الله فدعا قنبر فقال اتیتنی بکوز من ماء، فغسل یدہ و وجہہ ثلاثا فادخل بعض اصابعہ فی فیہ و امتشق ثلاثا و غسل ذارعیہ ثلاثا و مسح راسہ واحده... ورجلیہ الی الکعبین“ (۳)

(۱) روح البانی، جلد ۶، ص ۸۷۔

(۲) مستدرج جلد ۱ ص ۱۲۳۔

(۳) کنز العمال، جلد ۹ ص ۳۳۸۔

ابی مطر کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے ہمراہ مسجد میں بیٹھے تھے کہ اسے میں ایک آدمی آیا اور آپؑ کی خدمت میں عرض کرنے لگا کہ مجھے رسول خداؐ جیسا وضو کر کے دکھائیے، آپؑ نے تعمیر کو آواز دی اور فرمایا کہ پانی کا ایک برتن لے آؤ، اس کے بعد آپؑ نے ہاتھ اور منہ کو تین مرتبہ دھویا۔ اٹھل کے ذریعے دانت صاف کیے اور تین مرتبہ استسحاق کیا (ناک میں پانی ڈالا) اور پھر (چہرے) اور ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا اور ایک مرتبہ سر کا مسح اور ایک مرتبہ بھری ہوئی جگہ تک پاؤں کا مسح کیا۔

اگرچہ دونوں حدیثیں امیر المومنین علیؑ کے توسط سے پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہوئی ہیں لیکن وہ مختلف واقعات کو دکھایتی کرتی ہیں۔ اور ان میں قدر مشترک یہ ہے کہ رسول خداؐ وضو کے دوران پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے۔

۳۔ عن بسرین سعید قال: اتی عثمان المقاعد فدعا بوضوء فتمضمض و امتشق، ثم غسل وجہہ ثلاثا و یدیه ثلاثا ثلاثا ثم مسح براسہ ورجلیہ ثلاثا ثلاثا، ثم قال: رايت رسول الله هكذا توضحا، یا هؤلاء اکذلک؟ قالوا: نعم لنفر من اصحاب رسول الله عنده: (۱)

بسر بن سعید نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ میں (جہاں لوگ مل بیٹھے ہیں) آئے اور وضو کے لیے پانی مانگا اور کھٹی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اس کے بعد

(۱) عثمان، جلد ۱ ص ۶۷۔

عن ابی مالک الاشعری اَنَّهُ قَالَ لِقَوْمِهِ :  
اجتمعوا اصلی بکم صلوة رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم فلما اجتمعوا قال : هل فیکم أحد  
من غیرکم ؟ قالوا لا الا ابن أخت لنا ، قال : ابن  
أخت القوم منہم ، فلدعا بجفنة فیہا ماء فتوضأ و  
مضمض واستنشق وغسل وجهه ثلاثا و ذراعیہ ثلاثا  
ثلاثا و مسح برأسه و ظهر قدمیہ ثم صلی بھم (۱)  
ابو مالک اشعری سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ جمع ہو جاؤ تاکہ  
میں تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھوں۔ جب سب جمع ہو گئے تو انہوں نے  
پوچھا تمہارے درمیان کوئی غیر تو نہیں ہے؟ سب نے کہا نہیں صرف ایک ہمارا  
بھانجا ہے (کہ ہماری اس بہن کی شادی دوسرے قبیلے میں ہوئی تھی) کہنے لگے،  
کوئی بات نہیں۔ بھانجا بھی قبیلہ کا فرد ہوتا ہے (اس عبادت سے پتہ چلتا ہے کہ اس  
دور کی حکومت کی طرف سے۔ بعض سیاسی مسائل کی وجہ سے۔ رسول اللہ کی نماز یا وضو  
کی وضاحت کرتا ممنوع تھا) اس کے بعد انہوں نے پانی کا برتن مانگا اور اس طرح  
وضو کیا۔ کھلی کی اور تاک میں پانی ڈالا اور چہرے کو تین مرتبہ دھویا اسی طرح ہاتھوں  
اور بازوؤں کو تین مرتبہ دھویا اس کے بعد سر کا اور پاؤں کی پشت کا مسح کیا اس کے  
بعد اپنے قبیلہ کے ساتھ نماز پڑھی۔“

چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور دونوں ہاتھوں کو بھی تین تین مرتبہ دھویا اور سر اور پاؤں کا  
تین مرتبہ مسح کیا، اس کے بعد کہنے لگے میں نے پیغمبر اکرمؐ کو دیکھا ہے کہ اس  
طرح وضو فرماتے تھے (اس کے بعد حاضرین محفل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ  
جو اصحاب رسول تھے) اے لوگو! کیا اسی طرح ہے؟ سب نے کہا جی ہاں! (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف حضرت عثمانؓ بلکہ دیگر اصحاب بھی صراحت کے  
ساتھ گواہی دیتے تھے کہ پیغمبر اکرمؐ وضو کے وقت پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے (اگرچہ اس  
روایت میں سر اور پاؤں کا مسح تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے بعض اصحاب کی نظر میں یہ  
مسح ہو یا راوی کا اشتباہ ہو)

۴: عن رفاعۃ بن رافع اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ یَقُولُ:  
اَنَّهُ لَا تَتَمَّ صَلَوةٌ لِأَجَدٍ حَتّٰی یَسْبِغَ الوُضُوءُ، کَمَا أَمَرَهُ  
اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ یَغْسِلُ وَجْهَهُ وَیَدَیْهِ إِلَى المَرْفَقَیْنِ وَ  
یَمْسَحُ برأسه وَرِجْلَیْهِ إِلَى التَّكْبِیْتِ  
رفاعہ بن رافع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا فرما رہے تھے تم میں سے کسی کی  
نماز اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک اس طرح وضو نہ کرے جس طرح اللہ تعالیٰ  
نے حکم دیا ہے: کہ چہرے کو اور ہاتھوں کو کہنوں تک دھوئے اور سر کا اور پاؤں کا  
ابھری ہوئی جگہ تک مسح کرے“ (۱)

کے معیاروں کے مطابق ہونی چاہیے۔

اور اگر یہ جمع دلالی ممکن نہ ہو تو پھر روایات کی قرآن مجید کے ساتھ تطبیق کرنا چاہیے۔ یعنی دیکھنا چاہیے کہ کوئی روایت قرآن مجید کے مطابق ہے اسے اخذ کرنا چاہیے اور دوسری روایت کو ترک کرنا چاہیے۔ یہ ایسا قانون ہے جو مستبراد لہ کے ذریعے ثابت ہے۔

اب اس قاعدہ کے مطابق ان دو قسم کی (مسح اور دھونے والی) روایات کے درمیان جمع یوں کیا جاسکتا ہے کہ رسول خدا وضو کے دوران مسح والے حکم پر عمل کرتے تھے اور بعد میں نظافت کے لیے کبھی پاؤں کو دھویا کرتے تھے اور یہ دھونا وضو کا حصہ نہیں تھا۔ بعض راوی جو اس منظر کا مشاہدہ کر رہے ہوتے تھے خیال کرتے کہ یہ پاؤں دھونا، وضو کا جزء ہے۔

اتفاق سے شیعوں میں بھی بہت سے افراد اکثر یہی کام کرتے ہیں یعنی وضو میں مسح والے فریضے پر عمل کرنے کے بعد صفائی کی خاطر اپنے دونوں پاؤں کو اچھی طرح دھو لیتے ہیں۔ اور اس زمانے میں اس کام کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی تھی کیونکہ گرمی کی وجہ سے کھلے جوتے پہنے جاتے تھے نہ کہ بند جوتے، اور کھلے جوتے میں پاؤں جلدی آلودہ ہوتے ہیں۔ بہر حال پاؤں کا مسح ایک واجب فریضہ تھا جو عام طور پر دھوئے جانے والے پاؤں سے بخدا تھا۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ بعض فقہاء کو نص کے مقابلہ میں اجتہاد نے اُکسایا ہو کہ مسح کے مقابلے میں پاؤں دھونے کا فتویٰ دیں کیونکہ انہوں نے سوچا ہوگا کہ پاؤں کی آلودگی صرف دھونے سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ اس لیے انہوں نے سورۃ مائدہ کے ظہور کو ترک کر دیا جو واضح طور پر مسح کا حکم دیتا ہے جیسا کہ علمائے اہلسنت کے بعض کلمات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ آلودگی کو دور کرنے کیلئے پاؤں کو دھویا جائے اور مسح کافی نہیں ہے۔

مندرجہ بالا نقل ہونے والی روایات، ان روایات کا مختصر سا حصہ ہیں جو اہلسنت کی معروف کتب میں مشہور راویوں کے توسط سے نقل ہوئی ہیں۔ لہذا جو لوگ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی روایت نقل نہیں ہوئی یا صرف ایک روایت نقل ہوئی ہے وہ ناگاہ اور متغیب قسم کے لوگ ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ شاید حقائق سے چشم پوشی کرنے یا ان کا انکار کرنے کی وجہ سے انہیں ختم کیا جاسکتا ہے۔

یہ وہی لوگ ہیں جو سورۃ مائدہ کی آیت کے مسح کے وجوب پر دلالت کرنے سے انکار کرتے ہیں اور حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ یہ آیت صراحت کے ساتھ پاؤں دھونے پر دلالت کرتی ہے جس کی وضاحت سابقہ صفحات پر گذر چکی ہے۔

### مخالف روایات:

ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ سابقہ روایات کے مقابلے میں دو قسم کی دوسری روایات بھی اہلسنت کی معروف کتب میں نقل ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ وہ روایات ہیں جو کہتی ہیں کہ رسول خدا وضو کے وقت پاؤں دھوتے تھے۔ اور دوسرا گروہ ان روایات کا ہے جو کہتی ہیں کہ آپ وضو کے وقت نہ پاؤں کو دھونے تھے اور نہ مسح کرتے تھے بلکہ جوتوں پر مسح کرتے تھے!!

ایسے وقت میں ہمیں علم اصول کے مسلم قاعدہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اگر ایک مسئلہ کے بارے میں روایات کے دو گروہ آپس میں متضاد اور متعارض ہوں تو سب سے پہلے دلالت کے لحاظ سے جمع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے یعنی ان روایات کی اس طرح تفسیر کرنی چاہیے کہ تضاد ختم ہو جائے اور روایات آپس میں جمع ہو جائیں (البتہ یہ تفسیر اور جمع جبری نہیں ہے)۔

## سہل اور آسان شریعت:

یقیناً اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو روئے زمین کے تمام علاقوں اور تمام زمانوں کے لیے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مکمل طور پر آسان اور سہل شریعت ہے۔ ذرا سوچئے دن رات میں پانچ مرتبہ پاؤں کو دھونا، دنیا کے مختلف علاقوں میں کتنی مشکلات ایجاد کریگا۔ اس سختی کی وجہ سے ممکن ہے بعض لوگ وضو اور نماز سے بیزار ہو جائیں۔

اور یہ نص کے مقابلے میں اجتہاد اور مسح کی روایات کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے۔

یہ احتمال بھی ممکن نہیں ہے کہ پاؤں دھونے کی بعض احادیث (نہ ساری احادیث) بنو امیہ کے دور میں کہ جب احادیث گھڑنے کا بازار گرم تھا اور معاویہ جلی احادیث گھڑنے کے لیے بہت سی رقم خرچ کرتا تھا، جمل کی گئی ہوں۔ کیونکہ سب لوگ جانتے تھے کہ حضرت ملی "وضو میں پاؤں کے مسح کے قائل ہیں اور معاویہ کا اصرار تھا کہ ہر چیز میں ملی کی مخالفت کی جائے اور برعکس عمل کیا جائے۔ مندرجہ ذیل دو احادیث پر غور کیجئے۔

اصح مسلم میں بیان ہوا ہے کہ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص کو حکم دیا کہ امیر المؤمنین ملی پر سب و شتم کرے اور لعنت کرے! (کیونکہ سعد بن ابی وقاص سختی کے ساتھ اس کام سے پرہیز کرتے تھے) سعد نے کہا میں نے رسول خدا کی زبان سے تین فضیلتیں ملی کے بارے میں سنا سنی ہیں جنہیں میں کبھی نہیں بھلا سکتا ہوں، اے کاش اُن میں سے ایک فضیلت میرے لیے بھی ہوتی تو میں اسے عظیم ثروت پر ترجیح دیتا۔ اس کے بعد انہوں نے جنگ جہوک کا واقعہ اور "اما ترضی ان نکون لی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ" کا جملہ نقل کیا۔ اسی طرح جنگ خیبر کا واقعہ اور حضرت ملی کی شان میں رسول خدا کا مشہور جملہ جو آپؐ نے حضرت ملی کے بارے

میں فرمایا تھا اور واقعہ مباہلہ کو نقل کیا۔ (۱)

اس حدیث سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ معاویہ، امیر المؤمنین علیؑ کی مخالفت پر کتنا اصرار کرتا تھا۔

۲: بہت سی روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں دو گروہوں نے جعل حدیث کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

ایک گروہ۔ بظاہر صالح اور زاہد (مگر سادہ لوح) افراد پر مشتمل تھا جو قصد قربت کے ساتھ احادیث گھڑتا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے دیندار لوگ تھے جو لوگوں میں تلاوت قرآن کی رغبت ایجاد کرنے کے لیے اس کی سورتوں کے فضائل کے بارے میں عجیب و غریب احادیث بناتے تھے اور پیغمبر اکرمؐ کی طرف نسبت دیتے تھے اور مقام افسوس یہ ہے کہ ان کی تعداد بھی کم نہیں تھی!

اہلسنت کے معروف عالم جناب قرطبی اپنی کتاب تذکار کے (ص ۱۵۵) پر لکھتے ہیں: کہ ان احادیث کا کوئی اعتبار نہیں جنہیں جھوٹی احادیث گھڑنے والوں نے قرآن مجید کی سورتوں کے فضائل کے بارے میں جعل کیا ہے۔ کیونکہ یہ کام ایک بڑی جماعت نے قرآن کی سورتوں کے فضائل میں بلکہ تمام اعمال کے بارے میں انجام دیا ہے انہوں نے قصد قربت کے ساتھ احادیث گھڑی ہیں۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اس انداز میں لوگوں کو نیک اعمال کی طرف دعوت دیتے ہیں (وہ لوگ جھوٹ کو جو کہ ایک بدترین گناہ ہے زہد و فقاہت کے ساتھ بالکل منافی نہیں سمجھتے تھے!!)

اور یہ آیت "و من الناس من یُعجبک قوله فی الحیاة الدنیا....." (۱) علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (۲)  
 لَعَوْلَ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَسْكَانِ بِد  
 اس بناء پر تعجب نہیں ہے کہ علیؓ کی مخالفت میں کچھ روایات وضو میں پاؤں دھونے کے لیے جعل کر دی گئی ہوں۔

### جوتوں پر مسح، عقل و شرع کے ترازو میں:

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ جو لوگ پاؤں پر مسح کے مسئلہ کی حدت کے ساتھ نفی کرتے ہیں اور پاؤں دھونے کو واجب سمجھتے ہیں۔ وہی لوگ اجازت دیتے ہیں کہ وضو میں جوتوں پر مسح کیا جاسکتا ہے اور دلیل کے طور پر پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہونے والی بعض روایات کو پیش کرتے ہیں حالانکہ اہلیتؒ کے توسط سے نقل ہونے والی احادیث عموماً اس بات کی نفی کرتی ہیں اور خود اہلسنت کے واسطے سے نقل ہونے والی متعدد معتبر احادیث صریحاً اس کے خلاف ہیں۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ احادیث اہل بیت (ع) کی پیروی کرتے ہوئے شیعہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جوتوں پر مسح کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ لیکن بہت سے اہلسنت فقہاء نے اس کام کو سفر اور حضر میں بطور مطلق جائز قرار دیا ہے اگرچہ بعض علماء نے اسے ضرورت کے مقامات میں منحصر کیا ہے۔

(۱) سورۃ بقرہ آیت ۲۰۳۔

(۲) ابن ابی اللہ یہ معزنی طبع نقل شعی الثعالی شرح مال "سورة"۔

یہی دانشمند (قرطبی) اپنی کتاب کے بعد والے صفحہ پر خود "حاکم" سے اور بعض شیوخ محدثین سے نقل کرتے ہیں کہ ایک زاہد نے اپنی طرف سے قریب الی اللہ قرآن مجید اور اس کی سورتوں کے فضائل کے بارے میں احادیث جعل کیں جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا ہے؟ تو کہنے لگے میں نے دیکھا ہے کہ لوگ قرآن مجید کی طرف کم توجہ کرتے ہیں انہیں رغبت دلانے کے لیے میں نے یہ کام کیا ہے۔ اور جب ان کو کہا گیا کہ پیغمبر اکرمؐ نے خود فرمایا ہے کہ "من کذب علیٰ فلیسواء مقعده من النار" جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ تو جواب میں کہنے لگے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "من کذب علی....." جس نے میرے خلاف جھوٹ بولا۔ اور میں نے تو آپؐ کے فائدے میں جھوٹ بولا ہے!!

اس قسم کی احادیث نقل کرنے میں قرطبی تنہا نہیں ہیں بلکہ اہلسنت کے بعض دیگر علماء نے بھی انہیں نقل کیا ہے (مزید وضاحت کے لیے کتاب "الغدیر" کی پانچویں جلد میں "کذا میں اور وضائیں" کی بحث کی طرف رجوع کیجئے)۔

دوسرا گروہ: ان لوگوں کا تھا جو بھاری رقم لے کر معاویہ اور یزید کے حق اور امیر المؤمنینؑ کی مذمت میں احادیث گھڑتے تھے۔ ان میں سے ایک سرۃ ابن جندب تھا جس نے چار لاکھ درہم معاویہ سے لیے اور یہ حدیث امیر المؤمنینؑ کی مذمت اور ان کے قاتل کی شان میں گھڑی اور کہا کہ یہ آیت شریفہ "و من الناس من یشوی نفسه، ابتغاء مرضات اللہ....." (۱) علیؑ کے قاتل عبدالرحمن ابن ملجم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

یہاں پر چند سوالات سامنے آتے ہیں، من جملہ:

۱۔ پاؤں پر مسح کرنا تو جائز نہیں تھا کسی طرح جو توں پر مسح کرنا جائز ہو گیا ہے حالانکہ جب پاؤں دھونے کی بات آتی تھی تو دلیل یہی تھی کہ پاؤں چونکہ آلودہ ہوتے ہیں اس لیے انہیں دھونا بہتر اور مسح کرنا کافی نہیں ہے۔

کیا آلودہ جو توں پر مسح کر لینا پاؤں دھونے کا قائم مقام بن سکتا ہے۔

جبکہ بہت سے علماء اہلسنت اس بات کے قائل ہیں کہ پاؤں دھونے اور جو توں پر مسح کرنے میں اختیار ہے۔

۲۔ کیوں علماء نے قرآن مجید کے ظہور کو ترک کر دیا ہے جس میں سر اور پاؤں کے مسح کا حکم تھا اور جو توں پر مسح کو ترجیح دی ہے؟

۳۔ کیوں علمائے اہلسنت، روایات اہلیت سے چشم پوشی کرتے ہیں جس میں بالاتفاق جو توں پر مسح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے اہلیت کو ہی قرآن مجید کے ساتھ باعث نجات شمار کیا ہے؟

۴۔ درست ہے (برادران کی کتب میں) بعض روایات نقل ہوئی ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے جو توں پر مسح کیا ہے لیکن اس کے مقابلے میں دیگر معتبر روایات بھی موجود ہیں جن میں ذکر کیا گیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے۔ روایات کے تقاضا اور اقتضا کے وقت کیوں علمائے اہلسنت قرآن مجید کی طرف رجوع نہیں کرتے اور روایات کے اختلاف کے حل کیلئے اسے حاکم قرار دیتے ہوئے اسے اپنا مرجع قرار نہیں دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں ہم جتنا زیادہ غور و فکر کرتے ہیں ہمارے تعجب میں اضافہ ہوتا ہے۔

کتاب "الفقه علی المذاہب الاربعہ" میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ ضرورت اور اضطرار کے وقت جو توں پر مسح کرنا واجب اور بغیر ضرورت کے جائز ہے اگرچہ پاؤں کا دھونا افضل ہے۔

اس کے بعد "حنابلہ" سے نقل کیا گیا ہے کہ جو توں پر مسح کرنا اُن کو باہر نکالنے اور پاؤں دھونے سے افضل ہے۔ کیونکہ اس میں رخصت کا اخذ کرنا اور نعت کا شکر بجالانا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے بعض پیروکاروں نے بھی اس بات کی تائید کی ہے۔ (۱)

اس کے بعد اسی کتاب میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو توں پر مسح کرنا بہت سی روایات کے ذریعہ ثابت ہے جو تواتر کے قریب ہیں۔ (۲)

قابل توجہ یہ ہے کہ اس کتاب میں جو توں کے بارے میں مفصل بحث کی گئی ہے کہ ایسے جو توں کی شرائط کیا ہیں، مسح کی مقدار کیا ہے، مسح کی مدت کتنی ہے (یعنی کتنے دن تک لگانا) جو توں پر مسح کیا جاسکتا ہے (جو توں پر مسح کرنے کے مستحبات، مکروہات اور مہملات کیا ہیں۔ اس طرح اگر ایک جوتے پر دوسرا جوتا پہنا ہو اس کا کیا حکم ہے، جوتے کی جنس کیا ہونی چاہیے کیا ضروری ہے کہ جوتا حتماً چمڑے کا ہو یا اگر چمڑے کے علاوہ کسی اور چیز سے بنایا گیا ہو تو کافی ہے۔

اسی طرح شکاف دار جو توں اور بے شکاف جو توں کا کیا حکم ہے؟..... الغرض اس کتاب میں بہت مفصل گفتگو انہی جو توں کے بارے میں کی گئی ہے۔ (۳)

(۱) الفقه علی المذاہب الاربعہ، جلد ۱، ص ۱۳۵۔

(۲) ایضاً ص ۱۳۶۔

(۳) ایضاً، ص ۱۳۵ تا ۱۳۷۔

”أما بلغكم قول علي فيكم: سبق الكتاب  
الحقير؟ فقلت: هل فيهما رخصة؟ فقال الامن  
عنا ونقية أو تلج تخاف علي رجلك“ (۱)

کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ کتاب خدا (سورۃ مائدہ کی آیت جو  
پاؤں کے مسح کا حکم دیتی ہے) جو توں پر مسح کرنے والے حکم پر مقدم ہے میں نے  
مرض کی کیا جو توں پر مسح کرنے کے بارے میں کوئی رخصت ہے؟ آپ نے فرمایا  
نہیں اکر یہ کہ دشمن کے خوف سے تکیہ کرنا مقصود ہو یا برف باری کی وجہ سے  
تمہارے پاؤں کو خطرہ ہو۔

اس حدیث سے چند نکات کا استفادہ ہوتا ہے۔

اولاً: حالانکہ اہلسنت کی روایات میں مشہور یہ ہے کہ حضرت علیؓ جوتے پر مسح کو جائز نہیں  
سمجھتے تھے۔ پھر کس طرح ابوظبیاں وغیرہ نے جرأت کی ہے کہ آپ کی طرف جمہونی نسبت  
دینا کیا یہ کوئی سازش تھی؟ اس سوال کا جواب ہم بعد میں دیں گے۔

ثانیاً: حضرت علیؓ نے راجح دکھایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید ہر چیز پر مقدم ہے، کوئی  
تجزیہ قرآن مجید پر مقدم نہیں ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی روایت ظاہری طور پر قرآن مجید کے خلاف ہو  
تو اس کی توجیہ و تفسیر کرنی چاہیے۔

بالخصوص اگر کوئی روایت سورۃ مائدہ (وہ سورۃ جس میں وضو کا حکم بیان ہوا ہے) کے  
خلاف ہو کہ اس کی کوئی بھی آیت نسخ نہیں ہوئی ہے۔

۵: علماء اہلسنت کیوں جوتے پر مسح والی روایات کو ضرورت، سفر اور جنگ کے موارد اور  
جہاں جو توں کا اتارنا ممکن نہیں یا بہت ہی مشکل ہے، حمل نہیں کرتے یہ ایسے سوالات ہیں جن  
کا جواب نہیں ہے اور صرف پہلے ہی سے تضادات کر لینا اس سادہ سے مسئلہ میں شور و غل کا  
باعث بنا ہے۔

میں نے خود جدہ انٹرپورٹ پر مشاہدہ کیا کہ برادران اہلسنت میں سے ایک آدمی وضو  
کے لیے آیا اس نے وضو کے دوران اچھی طرح اپنے پاؤں کو دھویا۔ اس کے بعد دوسرا شخص  
آیا اس نے ہاتھ، منہ دھونے کے بعد جو توں پر ہاتھ پھیر لیا اور نماز کے لیے چلا گیا میں حیرت  
میں ڈوب گیا اور سوچنے لگا کہ کیا ممکن ہے کہ پیغمبر اکرمؐ جیسے حکیم کی طرف سے ایسا حکم دیا گیا ہو  
جس کی توجیہ ممکن نہیں ہے۔

ان سوالات کے بعد ضروری ہے کہ ہم اس مسئلہ کے اصلی مدارک کی تلاش میں جائیں۔  
اور روایات کے درمیان سے اس فتویٰ کے اصلی نکتہ اور اسی طرح ایک عقلی راہ حل کو تلاش  
کریں۔

روایات چند اقسام پر مشتمل ہیں:

الف) جو روایات اہلسنت کے منابع میں نقل ہوئی ہیں وہ عام طور پر بلکہ بالاتفاق  
جوتے پر مسح کرنے سے منع کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

۱۔ شیخ طوسی نے ابوالورد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت  
میں عرض کیا کہ ابوظبیاں نقل کرتا ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ انہوں نے پانی  
پھینک دیا اور جو توں پر مسح کر لیا۔ آپ نے فرمایا ابوظبیاں جھوٹ بولتا ہے۔

ہو میں پاؤں کا مسح

ہیں جناب فخر رازی کی اس بات کی یاد دلاتی ہے جو انہوں نے بسم اللہ کے جبر و اخفاء والے مسئلہ میں بیان کی ہے۔ بسم اللہ کے بارے میں کچھ لوگ قائل تھے کہ اس کا آہستہ پڑھنا واجب ہے جبکہ حضرت علیؓ بسم اللہ کو بالبحر پڑھنا ضروری سمجھتے تھے تو اس پر جناب فخر رازی کہتے ہیں کہ:

"مَنْ اتَّخَذَ عَلَيَا إِمَامًا لَدَيْنَهُ قَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ

الْوَقْفَى فِي دِينِهِ وَنَفْسِهِ" (۱)

جس نے دین میں حضرت علیؓ کو اپنا پیشوا بنایا تو وہ اپنے دین اور نفس میں عروۃ وحشی (مضبوط سہارے) سے متمسک ہو گیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ہم دیگر روایات کو بھی ذکر کر دیتے ہیں تاکہ کسی کو اعتراض نہ رہے (ب) جو روایات جو توں پر مسح کرنے کی اجازت دیتی ہیں دو قسم کی ہیں:

قسم اول: جو روایات ہیں جو مطلق طور پر اس مسح کی اجازت دیتی ہیں جیسے سعد بن ابی وقاص کی مرفوعہ حدیث جو انہوں نے رسول خداؐ سے جو توں پر مسح کے بارے میں نقل کی ہے کہ "اللہ لایأس بالوضوء علی الخفین" (۲)

ایک دوسری حدیث میں کہ جو بیہوشی کی نقل کے مطابق صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حدیفہ سے منقول ہے۔ یوں آیا ہے کہ:

"مَنْ رَمَى رَسُولَ اللَّهِ إِلَى مَسَاحَةِ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا

ثالث: امام محمد باقرؑ نے بھی رہنمائی ہے کہ اگر جو توں پر مسح کے بارے میں کوئی روایت وارد ہوئی ہو تو اسے ضرورت و اضطرار، جیسے شدید سردی کہ جسکی وجہ سے پاؤں کو خنجر ہو، پر حمل کیا جائیگا۔

۲: مرحوم شیخ صدوقؒ نے "من لا یحضرہ الفقیہ" میں ایک حدیث میں امیر المؤمنینؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"إِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ... لَا لِمَسْحٍ عَلَى الْخَفَيْنِ فَمَنْ

كَانَ مِنْ شِيعَتِنَا فَلْيَقْتَدِ بِنَا وَلْيَسْتَنْتِ بَسْتِنَا" (۱)

کہ ہم خاندان اہلبیت جوے پر مسح نہیں کرتے ہیں پس جو بھی ہمارا پیروکار ہے ہماری اقتداء کرے اور ہماری سنت کے مطابق عمل کرے۔

۳: ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے عجیب تعبیر نقل ہوئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"مَنْ مَسَحَ عَلَى الْخَفَيْنِ فَقَدْ خَالَفَ اللَّهَ وَ

رُؤُوسَهُ وَكُتَابَهُ وَوُضُوءَهُ لَمْ يَتَمَّ وَصَلَاتُهُ غَيْرُ

مُجْزِيَةٍ" (۲)

جس نے جوے پر مسح کیا، اس نے خدا، رسول اور قرآن مجید کی مخالفت کی، اس کا

وضو درست نہیں ہے اور اس کی نماز کفایت کرنے والی نہیں۔

حضرت علیؑ اسے جو روایت جو توں پر مسح کی ممنوعیت کے بارے میں نقل ہوئی ہے

(۱) "من لا یحضرہ الفقیہ"، جلد ۳، ص ۳۱۵۔

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱، ص ۲۷۹۔

سوال کیا، انہوں نے کہا حضرت علیؓ کے پاس جاؤ وہ سفر میں رسولؐ کے ہمراہ جاتے تھے میں انکی خدمت میں آیا اور ان سے اس مسئلہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا

”كُنَّا إِذَا مَسَّاهُنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ -يَا مَرَدًا بِالْمَسْحِ عَلَى خُفَّائِنَا“ (۱)

جب ہم رسولؐ کے ہمراہ سفر پر جاتے تھے تو آپؐ ہمیں جوتوں پر مسح کرنے کا دستور دیتے تھے

اس تعبیر سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جوتوں پر مسح کرنے کا مسئلہ ضرورت کے موارد کے ساتھ مربوط تھا۔ اس لیے فرمایا ہے کہ رسولؐ سفر میں یوں دستور دیتے تھے۔ اور اس قسم کی دیگر روایات۔

اہلسنت کے معروف منابع میں ذکر ہونے والی تمام روایات میں (پہلے سے کی جانے والی تفصیلات سے چشم پوشی کرتے ہوئے) غور فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

اولاً: علم اصول کے مشہور قاعدہ (قاعدہ جمع یعنی مطلق کو مقید کے ذریعے تنقید لگائی جائے) کے مطابق ان روایات کو جو بغیر قید و شرط کے جوتوں پر مسح کو جائز قرار دیتی ہیں، موارد ضرورت و اضطرار پر حمل کیا جائے جیسے سفر یا میدان جنگ میں یا اس قسم کے دیگر مقامات میں۔ اور دلچسپ یہ ہے کہ سنن بیہقی میں ایک مفصل باب جوتوں پر مسح کرنے کی مدت کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے اور چند روایات کے ذریعے اس مدت کو سفر میں تین دن اور حضر وغیرہ میں ایک دن، بیان کیا گیا ہے۔ (۱)

(۱) ایضاً ص ۲۷۲۔

(۲) السنن الکبریٰ، جلد ۱ ص ۲۷۵، ۲۷۶۔

لَعَنَّا بَعَاءَ فَجَسْتُهُ بَعَاءَ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ“ (۱)

انہما کی معذرت اور شرمندگی کے ساتھ مجبوراً اس حدیث کا ترجمہ کر رہے ہیں

”رسولؐ ایک قوم کے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ گئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ اس کے بعد پانی مانگا، میں (حذیفہ) ان کے لیے پانی لے کر گیا۔ آپؐ نے وضو کیا اور جوتوں پر مسح کیا“

ہمیں اطمینان ہے کہ یہ حدیث جعلی ہے اور بعض منافقین کی طرف سے رسولؐ کے تقدس کو داغدار کرنے کے لیے جعل کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتب میں (محققین کی سادگی کی وجہ سے) شامل ہو گئی ہے۔

جو شخص تھوڑی سی بھی شخصیت کا مالک ہو، کیا اس قسم کا کام کرتا ہے کہ جس کے بہت سے نامطلوب لوازم ہوں؟ مقام افسوس ہے کہ صحابہؓ میں اس قسم کی روایات نقل کی گئی ہیں اور آج تک علماء ان روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

بہر حال ان روایات اور اس قسم کی دوسری روایات میں جوتوں پر مسح کو بغیر کسی قید و شرط کے ذکر کیا گیا ہے۔

## قسم دوم:

ان روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ جوتوں پر مسح (اگر جائز ہے) تو صرف ضرورت کے مقامات کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسے مقدم بن شریح کی روایت جو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے۔ وہ کہتا ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے جوتوں پر مسح کے بارے میں

(۱) ایضاً ص ۲۷۲۔

الذی مسح علیہ رسول اللہ“ (وہ مخصوص جوتے جن پر رسول خداؐ نے مسح کیا) کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ اس باب کی بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مہاجرین اور انصار کے جوتے بھی اسی طرح اوپر سے کھلے تھے ”وكانت كذلك خفاف المهاجرين و الأنصار مخروقة مشققة“ (۱)

اس بناء پر قوی احتمال ہے کہ وہ اصحاب بھی اپنے پاؤں پر مسح کرتے ہوں۔ اس بحث کے عجب آور مراحل میں سے ایک یہ ہے کہ جن راویوں نے جوتوں پر مسح والی روایات کو نقل کیا ہے انہیں کبھی کبھار رسول خداؐ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ لیکن حضرت علیؑ کہ جو ہمیشہ آنحضرتؐ کی خدمت میں موجود رہتے تھے؛ اہلسنت کی مشہور روایات کے مطابق اس مسح کے مخالف تھے۔

اس سے زیادہ تعجب آور یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کہ جو اکثر اوقات آنحضرتؐ کے ہمراہ تھیں فرماتی ہیں:

”لَنْ تَقَطَعَ قَدَمَايِي أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَمْسَحَ

عَلَى الْحَقِيقَةِ“ (۲)

اگر میرے دونوں پاؤں کٹ جائیں یہ میرے لیے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ

میں اپنے جوتوں پر مسح کروں“

کیا یہ ساری روایات، اس حقیقت کیلئے روشن دلیل نہیں ہیں کہ جوتوں پر مسح کے بارے میں جو کچھ روایات میں بیان کیا گیا ہے وہ ضرورت اور اضطرار کے حالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور عام حالات میں جوتے نہ اتارنے اور پاؤں پر مسح نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اور یہ جو بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ اجازت امت سے عسر و حرج کو دور کرنے کیلئے ہے۔ یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ عام جوتوں کے اتارنے میں ذرہ بھر زحمت نہیں ہے۔

ثانیاً؛ اہلبیت اور اہلسنت کے معروف منابع میں حضرت علیؑ سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں کہ وہ فرماتے تھے یہ مسح سورہ مائدہ کی چھٹی آیت کے نزول سے پہلے تھا۔ اس سے یہ پتلا ہے کہ اگر اجازت تھی بھی تو آیت کے نزول سے پہلے تھی۔ آیت کے نزول کے بعد حتیٰ جنگ اور سفر میں بھی جوتوں پر مسح جائز نہیں تھا۔ کیونکہ جوتے نہ اتار سکنے کی صورت میں اصحاب حکم کرتے تھے، چونکہ حکم کا حکم بھی بطور کلی اس آیت کے ذیل میں آیا ہے۔

ثالثاً؛ اگر بعض اصحاب نے پیغمبر اکرمؐ کو حضر میں جوتوں پر مسح کرتے دیکھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے جوتوں پر شکاف تھا جس میں سے پاؤں پر مسح کرنا ممکن تھا۔

مشہور شیعہ محدث مرحوم صدوق اپنی شہرہ آفاق کتاب ”من لا یحضرہ الفقیہ“ میں لکھتے ہیں کہ: نجاشی نے پیغمبر اکرمؐ کو جوتے ہدیہ میں دیے تھے جنکے اوپر شکاف تھا، پیغمبر اکرمؐ نے ایک مرتبہ جوتے پہنے ہوئے اپنے پاؤں پر مسح کیا، بعض ناظرین نے گمان کیا کہ آپؐ نے جوتوں پر مسح کیا ہے۔ (۱)

معروف محدث جناب بیہقی نے اپنی کتاب ”السنن الکبریٰ“ میں ایک باب ”باب العقیق“

(۱) السنن الکبریٰ، جلد ۱، ص ۲۸۳۔

(۲) مسند نسائی، جلد ۱، ص ۹۸۔

## بحث کا آخری نتیجہ:

۱۔ قرآن مجید نے وضو میں اصلی فریضہ پاؤں کے مسح کو قرار دیا ہے (سورہ مائدہ آیت ۶) اس طرح اہلبیتؑ کی تمام روایات اور انکی اتباع کرنے والے تمام امامیہ فقہاء کا فتویٰ بھی اسی آیت کے مطابق ہے۔

۲۔ اہلسنت کے فقہاء، وضو میں اصلی فریضہ غالباً پاؤں وضو کرنے کو قرار دیتے ہیں لیکن ان میں اکثر اجازت دیتے ہیں کہ اختیاری صورت میں جوتوں پر مسح کیا جاسکتا ہے البتہ ان میں سے بعض اس مسح کو ضرورت کے موارد میں منحصر کرتے ہیں۔

۳۔ جو روایات اہلسنت کے منابع میں جوتوں پر مسح کے بارے میں ذکر ہوئی ہیں اس قدر متضاد و متناقض ہیں کہ ہر محقق کو شک میں ڈال دیتی ہیں۔ بعض روایات بغیر کسی قید و شرط کے جوتوں پر مسح کی اجازت دیتی ہیں، بعض کلی طور پر منع کرتی ہیں جبکہ بعض ضرورت کے مواقع کے ساتھ مختص کرتی ہیں اور اس کی مقدار سفر میں تین دن اور حضر میں ایک دن بیان کرتی ہیں۔

۴۔ روایات کے درمیان بہترین جمع کا طریقہ یہ ہے کہ اصلی حکم پاؤں پر مسح کرنا ہے (اور انکے عقیدہ کے مطابق پاؤں دھونا ہے) اور ضرورت و اضطرار کے وقت جیسے جنگ اور دشوار سفر کہ جس میں نعلین کے بجائے بند جوتے (انکی تعبیر کے مطابق ٹھٹ) پہنتے تھے اور ان کا اتارنا بہت مشکل تھا جوتوں پر (مسح جبیرہ کی مثل) مسح کرتے تھے۔

۹

بسم اللہ

سورة الحمد کا جزء ہے

ایک تعجب آور نکتہ: جب ہیعیان اہلیت خانہ خدا کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں تو اس وحدت کو محفوظ رکھنے کے لیے جس کا حکم ائمہ اہلیت نے دیا ہے وہ اہلسنت برادران کی نماز جماعت میں شرکت کرتے ہوئے مسجد الحرام اور مسجد النبیؐ میں باجماعت نماز کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ تو اس وقت سب سے پہلی چیز جو انکی توجہ کو اپنی طرف جلب کرتی ہے یہ ہے کہ وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ امام جماعت سورۃ الحمد کی ابتداء میں یا تو بالکل بسم اللہ پڑھتے نہیں ہیں یا اگر پڑھتے ہیں تو آہستہ اور مخفی انداز میں پڑھتے ہیں حتیٰ کہ مغرب و عشاء کی نماز میں جنہیں با آواز بلند پڑھا جاتا ہے۔

حالانکہ دوسری طرف وہ اس بات کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید کے تمام فصولوں میں کہ جو اکثر مکہ مکرمہ سے شائع ہوتے ہیں سورۃ حمد کی سات آیات ذکر کی گئی ہیں جن میں سے ایک بسم اللہ ہے۔ یہ بات سب کے لیے تعجب کا باعث بنتی ہے کہ قرآن مجید کی سب سے اہم ترین آیت ”بسم اللہ“ کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟ اور جس وقت لوگ ہم سے سوال کرتے ہیں اور ہم انکے سامنے اس بارے میں اہلسنت کے مذاہب و روایات کے اختلاف کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کے تعجب میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے۔

اس مقام پر ضروری ہے کہ پہلے ہم اس مسئلہ میں موجود فتاویٰ اور اس کے بعد بحث میں وارد ہونے والی مختلف روایات کی طرف رجوع کریں۔

اہلسنت کے نزدیک جائز ہے لیکن مالک اور اوزاعی (اہلسنت کے فقہاء) نے کہا ہے کہ سورۃ حمد کی ابتداء میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے (اور بسم اللہ کے بالجہر پڑھنے کے بارے میں) جتنی روایات بھی امام احمد بن حنبل سے نقل ہوئی ہیں سب کی سب کہتی ہیں کہ بسم اللہ کو بالجہر (بلند آواز کے ساتھ) پڑھنا سنت نہیں ہے..... اور عطاء، طاووس، مجاہد اور سعید بن جبیر سے روایت نقل ہوئی ہے کہ بسم اللہ کو بالجہر پڑھنا چاہیے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس عبارت میں ان کے تینوں اقوال نقل ہوئے ہیں:  
تفسیر "المیز" میں وحید زحیلی نے یوں لکھا ہے۔

"قال المالکیۃ والحنفیۃ لیست بالبسملة بآیۃ من الفاتحة ولا غیرھا الا من سورۃ النمل....."

الا ان الحنفیۃ قالوا یقرء المنفرد بسم اللہ الرحمن الرحیم مع الفاتحة فی کل رکعة مبرأ.....

وقال الشافعیۃ والحنابلۃ بالبسملة آیۃ من الفاتحة یجب قرائتها فی الصلوۃ الا ان الحنابلۃ قالوا: کالحنفیۃ یقرؤ بها مبرأ ولا یجہر بها وقال الشافعیۃ: یسرفی الصلوۃ السریۃ ویجہر بها فی الصلاة الجہریۃ (۱)

اس مسئلہ میں مجموعی طور پر اہلسنت کے فقہاء تین گروہوں پر مشتمل ہیں۔  
۱۔ بعض علما کہتے ہیں کہ سورۃ حمد کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔

جہری نمازوں میں بلند آواز کے ساتھ پڑھنا چاہیے اور اخفائی نمازوں میں آہستہ پڑھنا چاہیے۔ یہ امام شافعی اور ان کی پیروی کرنے والے علما ہیں۔

۲۔ بعض علما کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھی چاہیے لیکن ہمیشہ دل میں یعنی آہستہ پڑھنی چاہیے۔ یہ حنبلی علماء (امام احمد ابن حنبل کے پیروکاروں) کا نظریہ ہے۔

۳۔ ایک گروہ بسم اللہ پڑھنے کو اصلاً ممنوع سمجھتا ہے۔ یہ امام مالک کے پیروکار ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے پیروکاروں کی نظر بھی مالکی مذہب والوں کے قریب ہے۔

اہلسنت کے مشہور فقیہ "ابن قدامہ" اپنی کتاب مغنی میں یوں رقمطراز ہیں:

"ان قراءة بسم الله الرحمن الرحيم مشروعة فی اول الفاتحة واول كل سورة فی قول اكثر اهل العلم وقال مالك والأوزاعي لا يقرؤها فی اول الفاتحة..... ولا تختلف الرواية عن احمد ان الجهر بها غير مسنون..... ویروی عن عطاء وطاووس ومجاهد وسعيد بن جبیر الجهر بها وهو مذهب الشافعی..... (۱)

سورۃ حمد اور ہر دوسری سورت کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا پڑھنا اکثر

بسم اللہ سورۃ الحمد کا جزء ہے

سنا لیکن تھوڑا سا عرصہ گزرنے کے بعد اتنا شدید اختلاف پیدا ہو گیا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ بسم اللہ کا پڑھنا اصلاً ممنوع ہے جبکہ بعض دوسرے کہتے ہیں کہ اسکا پڑھنا واجب ہے، ایک مردہ کہتا ہے کہ آہستہ پڑھا جائے جبکہ دوسرا مردہ کہتا ہے کہ جہری نمازوں میں بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔

کیا اس عجب اور ناقابل یقین اختلاف سے اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ عادی نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ کی پشت پر ایک سیاسی گروہ کا ہاتھ ہے جس نے متضاد احادیث کو جعل کیا اور انہیں رسالتِ آج کی طرف نسبت دے دی ہے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک حدیث نقل کی ہے جو اس راز سے پردہ اٹھاتی ہے وہ کہتے ہیں: "مطرف نے" عمران بن حصین" سے نقل کیا ہے کہ جب اس نے بصرہ میں حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھی، تو کہا

"لَا تُكْرَهُ هَذَا الرَّجُلُ صَلَاةَ كُنَّا نَصَلِّيْهَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ"

اس نے اپنی نماز کے ذریعہ ہمیں رسول اللہؐ کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نمازوں کی

یاد دلادی ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز حتیٰ نماز بھی تبدیل ہو گئی تھی امام شافعی مشہور کتاب "الام" میں "وہب بن کیسان" سے نقل کرتے ہیں کہ "کل من رسول اللہؐ قد غیبت حتی الصلاة" پیغمبر اکرمؐ کی تمام سنتوں حتیٰ نماز کو تبدیل کر دیا گیا (۲)

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۰۔

(۲) الام، جلد ۱ ص ۲۶۹۔

امام مالک اور ابو حنیفہ کے پیروکار کہتے ہیں کہ بسم اللہ سورۃ حمد اور قرآن مجید کی دیگر سورتوں کی جزء نہیں ہے صرف سورۃ نمل میں ذکر ہونے والی آیت جو بسم اللہ پر مشتمل ہے سورت کا جزء ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہ کے پیروکار کہتے ہیں کہ جو شخص فرادی نماز پڑھ رہا ہے وہ ہر رکعت میں صرف سورۃ حمد کے ساتھ آہستہ آواز میں بسم اللہ پڑھے۔ لیکن امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے پیروکار کہتے ہیں:

کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے اور نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے اس فرق کے ساتھ کہ حنبلی کہتے ہیں کہ بسم اللہ کو آہستہ پڑھا جائے، مالکی پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن شافعی مذہب والے کہتے ہیں کہ اخلاقی نمازوں (تکبیر و عمر کی نماز) میں آہستہ پڑھا جائے اور بالجہر نمازوں (مغرب، عشا اور صبح کی نماز) میں بلند آواز سے پڑھا جائے۔

ان اقوال میں شافعی مذہب والوں کا قول: شیعہ فقہاء کے نظریہ سے نزدیک ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ ہمارے علماء تمام نمازوں میں بسم اللہ کو بالجہر پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں اور سورۃ حمد میں بسم اللہ پڑھنے کو مستفاد طور پر واجب سمجھتے ہیں اور دیگر سورتوں میں مشہور و معروف قول بسم اللہ کا جزء سورہ ہوتا ہے۔

یہ تو یہ ہے کہ ایک غیر جانبدار محقق واقعا حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔

چونکہ وہ دیکھتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے پورے ۲۳ سال اپنی اکثر نمازوں کو جماعت کے ساتھ اور سب کے سامنے پڑھا۔ اور سب اصحاب نے آنحضرتؐ کی نمازوں کو اپنے کانوں

بسم اللہ سورۃ الحمد کا جزء ہے

بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں احادیث نبوی

اس مسئلہ کے بارے میں اہلسنت کی معروف کتب میں مکمل طور پر مختلف اقسام کی احادیث نقل ہوئی ہیں۔ یہی احادیث انکے فتاویٰ میں اختلاف کا سبب بنی ہے اور عجیب یہ ہے کہ کبھی ایک ہی شخص راوی نے متضاد روایات نقل کی ہیں۔ جیسے نمونے آپ آئمہ احادیث میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

پہلی قسم کی احادیث:

اس قسم میں وہ روایات ہیں جو نہ صرف بسم اللہ کو سورۃ حمد کا جزء شمار کرتی ہیں بلکہ بلند آواز میں پڑھنے کو بھی مستحب (یا ضروری) قرار دیتی ہیں اس گروہ میں ہم پانچ مشہور راویوں کی پانچ احادیث پر اکتفاء کرتے ہیں:

۱۔ یہ حدیث امیر المؤمنین علی سے نقل ہوئی ہے۔ انکا مقام و منزلت سب پر عیاں ہیں کہ وہ جلالت و غلوٹ اور سرفراز حضرت میں رسول خدا کے ساتھ رہے ہیں۔ دارقطنی نے اپنی کتاب سنن میں آپ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ

"كان النبي يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم

في السورتين جميعاً" (۱)

بخیر اکرم و مسطوروں (حمد اور بعد والی سورت) میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز

سے پڑھتے تھے"

(۱) سنن دارقطنی، جلد ۱ ص ۳۰۲، اسی حدیث کو سیوطی نے درامہ میں جلد ۱ ص ۲۲ پر نقل کیا ہے۔

۲۔ یہ روایت انس بن مالک سے نقل ہوئی ہے کہ جو بخیر اکرم کے خصوصی خادم اور جوانی سے ہی آپ کی خدمت میں پہنچ گئے تھے۔ حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

کہتے ہیں:

"صليت خلف النبي وخلف ابى بكر وخلف

عمر وخلف عثمان وخلف علي كلهم كانوا

يجهرون بقراءة بسم الله الرحمن الرحيم" (۱)

۳۔ حضرت عائشہ عام طور پر شب و روز بخیر اکرم کے ہمراہ تھیں۔ دارقطنی کی روایت کے مطابق وہ فرماتی ہیں کہ:

"ان رسول الله كان يجهر ببسم الله الرحمن

الرحيم" (۲)

رسول خدا بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز کے ساتھ پڑھتے تھے"

۴۔ اہلسنت کے معروف راوی جناب ابو ہریرہ کہ جن کی بہت سی روایات کو صحاح ستہ میں نقل کیا گیا ہے یوں کہتے ہیں "كان رسول الله صلى الله عليه وآله يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم في الصلوة" کہ سولہ نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

(۱) مستدرک الحکمین، جلد ۱ ص ۲۲۲، میں نے روایت حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی کے بیچ تلامذہ میں سب کے سب بسم اللہ کو بلند آواز کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حرم

یہ حدیث تین معروف کتب "السنن الکبریٰ" (۱) "مستدرک حاکم" (۲) اور "سنن دار قطنی" (۳) میں نقل ہوئی ہے۔

۵۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جبرائیل امین نے بھی پیغمبر اکرم کو نماز کی تعلیم دینے وقت بسم اللہ کو بلند آواز کے ساتھ پڑھا۔ دار قطنی کی نقل کے مطابق نعمان بن بشیر یوں کہتے ہیں "أُتِیَ جِبْرِائِلُ عِنْدَ الْكُعْبَةِ فَجَهِرَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" جبرائیل امین نے خانہ کعبہ کے پاس میری امامت کی (مجھے نماز پڑھائی) اور بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھا (۴)

دلچسپ یہ ہے کہ بعض معروف علماء نے بسم اللہ بالجبر پڑھنے والی احادیث کو نقل کرنے کے ساتھ یہ تصریح کی ہے کہ ان احادیث کے راوی عام طور پر ثقہ ہیں جیسے حاکم نے مستدرک میں اس بات کی تصریح کی ہے۔

یہاں ہمیں اس بات کا اضافہ کرنا چاہیے کہ کتب اہلیت<sup>(۱)</sup> کی فقہ و حدیث کی کتب میں بسم اللہ کو سورۃ حمد کی ایک آیت شمار کیا گیا ہے اور اس بارے میں احادیث تقریباً متواتر ہیں اور اسی طرح بہت سی احادیث میں بسم اللہ کو بالجبر پڑھنے کے بارے میں تصریح کی گئی ہے۔ ان روایات کے بارے میں حرطہ آگاہی کے لیے کتاب "وسائل الشیعہ" میں "نماز میں قراوت" والے ایواب میں سے باب نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ کی طرف رجوع کیا جائے۔ وہاں مسئلہ

(۱) السنن الکبریٰ جلد ۱، ص ۷۷۔

(۲) مستدرک محسن، جلد ۱، ص ۳۰۸۔

(۳) دار قطنی، جلد ۱، ص ۳۰۶۔

(۴) سنن دار قطنی، جلد ۱، ص ۳۰۹۔

روایات آمد اہلیت سے نقل کی گئی ہیں اور دیگر مستبر کتب جیسے کافی، معیون اخبار الزحراء، اور مستدرک الوسائل میں (نماز میں قراوت قرآن کے مربوط ایواب میں) بھی بہت سی روایات ذکر کی گئی ہیں۔

حدیث ثقلین کی روشنی میں کہ جسے فریقین نے نقل کیا ہے اور اس میں حکم دیا گیا ہے کہ میرے بعد قرآن مجید اور میرے اہلیت کا دامن قدام کر رکھنا تاکہ گمراہی سے بچ رہو۔ کیا ہمیں اس قسم کے اختلاف انگیز مسئلہ میں مذہب اہلیت کی پیروی نہیں کرنا چاہیے (تاکہ گمراہی سے محفوظ رہیں)؟!

### دوسری قسم کی احادیث:

یہ قسم ان احادیث پر مشتمل ہے جو بسم اللہ کو سورۃ حمد کا جزو شمار نہیں کرتیں یا بسم اللہ کو بلند آواز کے ساتھ پڑھنے سے منع کرتی ہیں۔

۱۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں قنادہ سے نقل ہوئی ہے جس میں انس کہتے ہیں کہ:

"صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ (ص) وَابْنِ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" (۱)

میں نے رسول اللہ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ساتھ نماز پڑھی میں نے کسی سے نہیں سنا کہ انہوں نے نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی ہو۔

(۱) صحیح مسلم، جلد ۲، باب حجۃ من قال لا یجہد بالصلۃ، ص ۱۲۔

توجہ کرنی چاہیے کہ اس حدیث میں حضرت علیؓ کی قراءت کے بارے میں کوئی بات نہیں کی گئی ہے!

واقعاً تعجب آور ہے کہ ایک متین شخص جیسے انس ایک مرتبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ خلفائے ثلاثہ اور حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ سب کے سب بسم اللہ کو بلند آواز کے ساتھ پڑھتے تھے۔ دوسری جگہ وہی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے ثلاثہ کے پیچھے نماز پڑھی کسی نے بھی نماز میں بسم اللہ نہیں پڑھی چہ جائیکہ بلند آواز سے پڑھا۔

کیا ہر صاحب فہم یہاں یہ سوچے پر مجبور نہیں ہوتا کہ پہلی حدیث کو بے اثر کرنے کے لیے جاعلین حدیث نے (جیسا کہ عقرب بیان کیا جائیگا) اس دوسری حدیث کو جعل کیا ہے اور اسے انس کی طرف نسبت دی ہے اور چونکہ حضرت علیؓ کا بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا مشہور ہے اور ان کے پیروکار جہاں کہیں بھی ہیں یہی کام کرتے ہیں اس لیے ان کا نام نہیں لیا گیا ہے تاکہ حوالہ کا پول نہ کھل جائے؟

۲۔ سنن بیہقی میں عبد اللہ بن مفضل سے نقل ہوا ہے، وہ کہتے ہیں:

”معنی ابی وانا اقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال، ای بنی محدث؟ صلیٰ خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منهم جهر بسم اللہ الرحمن الرحیم“ (۱)

میرے والد نے مجھے نماز میں بسم اللہ پڑھتے سنا تو کہنے لگے: کیا بدعت ایجاد کرنا چاہے ہو؟ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے پیچھے نماز پڑھی ان میں سے کسی کو میں نہیں دیکھا کہ بسم اللہ کو بلند آواز کے ساتھ پڑھتا ہو۔

اس حدیث میں بھی حضرت علیؓ کی نماز کا تذکرہ نہیں ہوا ہے

۳۔ جناب طبرانی کی کتاب ”المعجم الوسیط“ میں ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ:

”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اذا قرء بسم اللہ الرحمن الرحیم ہزء منه المشرکون وقالوا محمد یذکر الہ الیعامۃ۔ وکان مسیلمۃ یسمی ”الرحمن“ فلما نزلت ہذا الایۃ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ان لا یجہر بها؟ کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے تھے تو مشرکین مسخر کرتے تھے۔ کیونکہ یمامہ کی سر زمین پر خدائی کا دعویٰ کرنے والے مسیلہ کا نام طہن تھا۔ اس لیے مشرکین کہتے تھے کہ محمدؐ کی مراد وہی یمامہ کا خدا ہے۔ اس وجہ سے غیبر اکرمؐ نے حکم دے دیا تھا کہ اس آیت کو بلند آواز سے نہ پڑھا جائے“

اس حدیث میں جعلی ہونے کے آثار بالکل نمایاں ہیں کیونکہ:

اولاً: طہن کا کلمہ قرآن مجید میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم میں نہیں آیا ہے بلکہ اور بھی ۵۶ مقامات پر ذکر ہوا ہے۔ صرف سورۃ مریم میں ہی اس کا سولہ ۱۶ مرتبہ تکرار ہوا ہے۔ اگر

رہن ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی آیات کو غنی کرتے یا آہستہ پڑھتے۔ خاص طور پر اس بات کی طرف بھی توجہ رہے کہ میلہ کے دعوے ہجرت کے دسویں سال منظر عام پر آئے تھے اور اس وقت اسلام مکمل طور پر قوت اور قدرت پیدا کر چکا تھا۔

ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث گھڑنے والے اپنے کام میں مہارت نہیں رکھتے تھے اور نا آگاہ تھے۔

۴: ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب ”معنف“ میں ابن عباس سے نقل کیا ہے ”الجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم قرائۃ الأعراب“ بسم اللہ کو بلند آواز کے ساتھ پڑھنا عرب کے ہڈوں کی عادت تھی“ (۱)

حالانکہ ایک اور حدیث میں علی ابن زید بن جعدان نے بیان کیا ہے کہ ”عبادہ“ (یعنی عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر) تینوں بسم اللہ کو بلند آواز کے ساتھ پڑھتے تھے“ (۲)

اس سے بڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ بالجہر پڑھتے تھے۔ یہ بات تمام شیعہ و سنی کتب میں مشہور ہے کیا علی رضی اللہ عنہ بیابانی اعراب میں سے تھے؟ کیا ان متفاد احادیث کا وجود ان کے سیاسی ہونے کی دلیل نہیں ہے؟

ہاں! حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ بسم اللہ کو بالجہر پڑھتے تھے۔ جب امیر المؤمنین کی شہادت اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی مختصری خلافت کے بعد معاویہ کے ہاتھ میں حکومت

یہی وجہ ہے تو قرآن مجید کی دوسری سورتوں کو بھی نہیں پڑھنا چاہیے، کہیں مشرکین مسلمانوں کا مذاق نہ اڑائیں۔

ثانیاً: مشرکین تو قرآن مجید کی تمام آیات کا تمسخر کرتے تھے جیسا کہ متعدد آیات میں اس بات کا تذکرہ کیا گیا ہے من جملہ سورۃ نساء کی چالیس نمبر آیت ”اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بها و یستہزأ بها فلا تقعدوا معهم“

مشرکین نماز کے لیے دی جانے والی اذان کا بھی مذاق اڑاتے تھے جیسے سورۃ مائدہ کی ۵۸ نمبر آیت میں تذکرہ ہوا ہے ”و اذا نادیتم الی الصلوۃ اتخلو و ہاھزؤا“ کیا بغیر اکرم نے اذان کے ترک کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ یا اذان آہستہ کہنے کا حکم دیا ہے کہ کہیں مشرکین مذاق نہ اڑائیں۔

بنیادی طور پر مشرکین خود بغیر اکرم کا استہزاء کرتے تھے جیسا کہ اس آیت میں تذکرہ ہوا ہے ”و اذا اک الذین کفروا ان یتخلو لک الّا ھزؤا“ (۱)

اگر یہی دلیل ہے تو خود بغیر اکرم کو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہو جانا چاہیے تھا۔ ان سب ادلہ سے قطع نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بڑی صراحت کے ساتھ وعدہ دیا تھا کہ آپ کو استہزاء کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھے گا ”انّا کفیناک المستہزئین“ (۲)

ثالثاً: میلہ کوئی ایسی شخصیت نہیں تھا جس کو اس قدر اہمیت دی جاتی کہ بغیر اکرم اس کا نام

(۱) معنف ابن ابی حنیفہ، جلد ۲ ص ۸۹۔

(۲) الدر المنثور، جلد ۱ ص ۳۱۔

کی باگ ڈور آگئی، تو اس کی پوری کوشش یہ تھی کہ تمام آثار علوی کو عالم اسلام کے صفحے سے مٹا دے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مسلمانوں میں آپ کے فکری اور معنوی افکار کا نفوذ اس کی سلطنت کے لیے خطرہ ہے۔

اس بات کا منہ بولتا ثبوت اس حدیث میں ملتا ہے جسے حاکم نے مستدرک میں نقل کیا اور معتبر قرار دیا ہے (پیغمبر اکرمؐ کے خصوصی خادم) جناب انس بن مالک فرماتے ہیں کہ معاویہ مدینہ میں آیا اس نے جہری نماز (مغرب، عشاء و یا صبح کی نماز) میں سورۃ الحمد سے پہلے بسم اللہ کو پڑھا لیکن بعد والی سورت میں نہیں پڑھا۔ جب نماز ختم کی تو ہر طرف سے مہاجرین و انصار کی (کہ جو شاید جان بچانے کی خاطر نماز میں شریک ہوئے تھے) صدائیں بلند ہو گئیں "اسرقت الصلوۃ ام نسبت؟" کہ تو نے نماز میں سے چوری کی ہے یا بھول گیا ہے؟ معاویہ نے بعد والی نماز میں سورۃ حمد سے پہلے اور بعد والی سورت سے پہلے بھی بسم اللہ پڑھی" (۱)

معاویہ کو یا اس بات کے ذریعے مہاجرین و انصار کو آزما نا چاہتا تھا کہ یہ لوگ بسم اللہ اور اس کے بالجبر پڑھنے کے سلسلہ میں کتنی توجہ و جمیدگی رکھتے ہیں۔ لیکن اس نے اپنا کام شام اور دیگر علاقوں میں جاری رکھا۔

## ما بین الذین قرآن ہے:

یقیناً جو کچھ قرآن کی دو جلد کے درمیان ہے وہ قرآن مجید کا جزء ہے۔ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ بسم اللہ قرآن مجید کا جزء نہیں ہے صرف سورتوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے

کے لیے ہے۔ اولاً یہ بات سورۃ حمد کے بارے میں صحیح نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ قرآن مجید کے تمام نسخوں میں آیات کے نمبر لگائے گئے ہیں۔ بسم اللہ کو سورۃ حمد کی آیت شمار کیا گیا ہے۔ ثانیاً: یہ سورتوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والا کام کیوں سورۃ براءۃ میں نہیں کیا گیا ہے۔ اور اگر جواب میں کہا جائے کہ چونکہ اس سورت کا سابقہ سورۃ (سورۃ انفال) کے ساتھ رابطہ ہے تو یہ بات کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اتفاقاً سورۃ انفال کی آخری آیات اور سورۃ براءۃ کی ابتدائی آیات کے درمیان کوئی مفہومی رابطہ نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اور کئی سورتیں ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ارتباط رکھتی ہیں لیکن بسم اللہ نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔

حق یہ ہے کہ کہا جائے بسم اللہ ہر سورہ کا جزء ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کا ظاہر بھی اس بات کی خبر دیتا ہے۔ اور اگر سورۃ توبہ میں بسم اللہ کو ذکر نہیں کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے اس سورت کا آغاز بیان جنگن و دشمنوں کے ساتھ اعلان جنگ کے ذریعے ہوتا ہے اور اعلان جنگ، ظلم اور رحیم کے نام کے ساتھ سازگاری نہیں رکھتا ہے کیونکہ یہ نام رحمت علامہ اور رحمت خاصہ الہی کی حکایت کرتا ہے۔

## بحث کا خلاصہ:

۱۔ پیغمبر اکرمؐ سورۃ حمد اور دیگر تمام سورتوں کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھتے تھے (ان کثیر روایات کے مطابق جو آپؐ کے نزدیک ترین افراد سے نقل ہوئی ہیں) اور متعدد روایات کے مطابق آپؐ بسم اللہ کو بالجبر پڑھا کرتے تھے۔

۲۔ سابقہ روایات کے مقابلے میں جو روایات کہتی ہیں کہ بسم اللہ اصلاً قرآن مجید کا جزء

وہ کہتے ہیں کہ:

"اِنَّ عَلِيًّا - كَانَتْ يَهَابُغُ فِي الْجَهْدِ بِالتَّسْمِيَةِ فَلَمَّا  
وَصَلَتْ الدَّوْلَةُ إِلَى بَنِي اُمَيَّةَ بِالْغَوَا فِي الْمَنْعِ  
مِنْ الْجَهْدِ مَسْعِيًّا فِي اِبْطَالِ آثَارِ عَلِيٍّ -" (۱)  
حضرت علیؑ بسم اللہ کے بالجہر پڑھنے پر اصرار کرتے تھے، جب حکومت، بنو امیہ  
کے ہاتھ آئی تو انہوں نے بسم اللہ کے بلند پڑھنے سے منع کرنے پر اصرار کیا تاکہ  
حضرت علیؑ کے آثار کو مٹایا جاسکے۔

اہلسنت کے اس عظیم دانشمند کی گواہی کے ذریعے بسم اللہ کے آہستہ پڑھنے یا اس کے  
حذف کرنے والے مسئلہ کا سیاسی ہونا اور زیادہ آشکار ہو جاتا ہے۔ اسی کتاب میں ایک اور  
مقام پر جناب فخر رازی، مشہور محدث بیہقی سے اس بات کو نقل کرنے کے بعد کہ حضرت عمر ابن  
خطاب، جناب ابن عباس، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر سب کے سب بسم اللہ کو بلند آواز  
سے پڑھتے تھے اس بات کا اضافہ کرتے ہیں:

"اَمَّا اَبُو عَلِيٍّ ابْنُ اَبِي طَالِبٍ كَانَتْ يَجْهَدُ  
بِالتَّسْمِيَةِ فَقَدْ ثَبِتَ بِالتَّوَاتُرِ وَمِنْ اِقْتِدَى فِي  
لَيْسَ بَعْلَى ابْنِ اَبِي طَالِبٍ فَقَدْ اِهْتَدَى، وَ  
الدَّلِيلُ عَلَيْهِ قَوْلُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اِنَّ الْحَقَّ مَعَ  
عَلِيٍّ حَيْثُ دَارَ" (۲)

(۱) تفسیر کبیر فخر رازی، جلد ۱ ص ۲۰۶۔

(۲) ایضاً ص ۲۰۵۔

نہیں ہے یا آنحضرتؐ ہمیشہ اسے بالا خفات پڑھتے تھے۔ مشکوک ہیں بلکہ خود ان روایات  
میں ایسے قرائن موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ روایات جعلی اور ان کے پیچھے بنو امیہ  
کی پراسراریاتیں ہیں۔ کیونکہ یہ بات مشہور تھی کہ حضرت علیؑ بسم اللہ کو بالجہر پڑھتے ہیں  
اور یہ تو معلوم ہے کہ جو کچھ بھی حضرت علیؑ کی خصوصیت یا علامت شمار ہوتی تھی (اگرچہ وہ  
تغییر اکرمؑ سے حاصل کی ہوئی ہوئی تھی) بنو امیہ اس کی شدت کے ساتھ مخالفت کرتے تھے یہ  
موضوع اس شدید اعتراض کے ذریعے آشکار ہو جاتا ہے کہ جو اصحاب نے معاویہ پر کیا۔ اور  
اس کے علاوہ بھی قرائن و شواہد موجود ہیں جنہیں ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ امیر اہلبیتؑ کا امیر المؤمنین (کہ انہوں نے سالہا سال تغیر اکرمؑ سے بسم اللہ کو  
بالجہر ادا کرنے کا درس لیا تھا) کی پیروی کرتے ہوئے اس بات پر اتفاق ہے۔ یہاں تک کہ  
امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

"اجتمع آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ علی  
الجهل ببسم الله الرحمن الرحيم" (۱)

کمال حمد کا بسم اللہ کے بلند پڑھنے پر اتفاق ہے۔

حداقل اس قسم کے مسائل میں حدیث ثقلین پر عمل کرتے ہوئے روایات اہلبیت  
کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور تمام اہلسنت فقہاء کو چاہیے کہ امام شافعی کی طرح حداقل جبری  
نمازوں میں بسم اللہ کو بالجہر پڑھنا واجب قرار دیں۔

۴۔ حسن اختتام کے عنوان سے اس بحث کے آخر پر دو باتیں جناب فخر رازی  
صاحب "تفسیر الکبیر" سے نقل کرتے ہیں:

بہر حال حضرت علیؑ بسم اللہ کو ہالنجہ پڑھتے تھے یہ بات تو اتر کے ذریعہ ثابت ہے اور جو بھی دین میں حضرت علیؑ کی پیروی کریگا یقیناً ہدایت پا جائیگا۔ اس بات کی دلیل رسول اللہؐ کی یہ حدیث ہے کہ بار اہل حق کو ہمیشہ علیؑ کے ساتھ رکھو اور حق کو اسی طرف پھیر دے جس طرف علیؑ رخ کرے۔

۱۰

أُولِيَاءِ اللَّهِ  
تَوْسَلُ

## ”توسل“ قرآنی آیات اور عقل کے آئینہ میں:

بارگاہ الہی میں اولیائے الہی سے توسل کے ذریعہ مادی اور معنوی مشکلات حل کرانے کا مسئلہ دہائیوں اور دیگر مسلمانوں کے درمیان ایک اہم ترین اور متنازعہ مسئلہ ہے۔ وہابی صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ نیک اعمال کے ذریعے توسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اولیائے الہی کے ساتھ توسل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ اسے ایک قسم کا شرک سمجھتے ہیں۔ جبکہ دنیا کے دوسرے مسلمان اس توسل کو (جس کے مفہوم کی ہم وضاحت کریں گے) جائز سمجھتے ہیں۔

دہائیوں کا گمان یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات اس توسل سے منع کرتی ہیں اور اسے شرک قرار دیتی ہیں۔ من جملہ یہ آیت کریمہ

”ما لعبدا هم الا ليقربوا الى الله ولفي“ (۱)

یہ آیت فرشتوں کی مانند معبودوں کے بارے میں ہے کہ جن کے لیے مشرکین کہتے تھے کہ ہم اس لیے ان کی پوجا کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں خدا کے نزدیک کریں اور اس بات کو

ایک دوسری روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے "والذین يدعون من دونه لا يستجیون لهم بشئ" جو غیر خدا کو پکارتے ہیں، وہ انکی کوئی حاجت پوری نہیں کر سکتے ہیں" (۲)

وہابیوں کا توہم اور خیال یہ ہے کہ یہ آیات اولیائے الہی کے ساتھ توسل کرنے کی نفی کر رہی ہیں۔

اس کے علاوہ وہ ایک اور بات بھی کرتے ہیں وہ یہ کہ بالفرض اگر بعض روایات کی روشنی میں پیغمبر اکرمؐ کی زندگی میں ان سے توسل جائز ہو لیکن وفات کے بعد ان سے توسل کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

یہ وہابیوں کے دعووں کا خلاصہ تھا لیکن مقام افسوس یہ ہے کہ اسی قسم کی بے دلیل باتوں کی خاطر وہابیوں نے بہت سے مسلمانوں پر شرک اور کفر کی ہتھتیاں لگائیں اور ان کے خون بہانے کو مباح قرار دیا ہے، اسی طرح انکے مال کو مباح جانا ہے۔ اسی بہانے بہت سا خون بہایا گیا اور بہت سا مال غارت کیا گیا ہے۔

اس وقت جبکہ ہم انکے عقیدہ کو سمجھ چکے ہیں بہتر ہے کہ اصل مسئلہ کی طرف لوٹ کر آئی  
تو نسل کے مسئلہ کو بنیادی طور پر حل کریں۔

(۱) سورۃ جن، آ ۱۸۔

... (f) ...

<http://fb.com/ranajabirabbas>

سب سے پہلے ہم "توسل" کو لغت، آیات اور روایات کی روشنی میں دیکھتے ہیں: سب میں "توسل" وسیلہ کے انتخاب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور وسیلہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان کو کسی دوسرے سے قریب کرے

لغت کی مشہور کتاب ”لسان العرب“ میں تو سٹل کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"وَصَلَ إِلَى اللَّهِ وَسِيلَةً إِذَا عَمِلَ عَمَلًا تَقَرَّبَ إِلَيْهِ وَالْوَسِيلَةُ مَا يَتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى الْغَيْرِ؛ خُذَاكَ مِنْ طَرَفٍ تَوَسَّلُ كَرَامًا وَوَسِيلَةً مُنْجِبَ كَرَامِيهِ هِيَ كَرَامَانِ أَيْ عَمَلُ انْجَامِ دَعَايِ جِسِّهِ أَيْ خُذَاكَ قَرِيبَ نَصِيبِ هُوَ، أَوْ وَسِيلَهُ اسْ جِزْ كَيْ مَعْنَى مِثْلِ هِيَ جِسِّهِ ذَرِيَعَةٍ

مصباح اللغۃ میں بھی یوں ہی بیان کیا گیا ہے: "الوسيلة ما يتقرب به الى الشيء"  
 و الجمع الوسائل "وسيلة اس شے کو کہتے ہیں جس کے ذریعے، انسان دوسری شے یا مقصود  
 کے نزدیک ہوتا ہے اور وسیلہ کی جمع "وسائل" ہے۔

مقائیس الفخ میں یوں بیان کیا گیا ہے: "الوسيلة الرغبة و الطلب" وسیلۂ رغبت اور طلب کے معنی میں ہے۔"

ان اخلاقی کتب کے مطابق، وسیلہ تقرب حاصل کرنے کے معنی میں بھی ہے اور اس چیز کے معنی میں بھی ہے جس کے ذریعے انسان دوسری شے کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اور یہ ایک وسیع مفہوم ہے

اب ہم قرآن مجید کی آیات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں وسیلہ کی اصطلاح دو آیات میں استعمال ہوئی ہے۔

۱۔ سورہ مائدہ کی ۳۵ ویں آیت میں یوں ارشاد ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ  
وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“

اس آیت میں تمام اہل ایمان کو مخاطب قرار دیا گیا ہے اور تمہیں دستور بیان کیے گئے ہیں۔

اول تقویٰ کا حکم، دوم، وسیلہ منتخب کرنے کا حکم، وہ وسیلہ جو ہمیں خدا سے نزدیک کرے۔  
سوم: راہ خدا میں جہاد کرنے کا حکم، ان مجموعہ صفات (تقویٰ، توسل اور جہاد) کا نتیجہ ہی چیز  
ہے جسے آیت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے: ”لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“ یعنی یہ منافع تمہاری  
فلاح اور رستگاری کا باعث ہیں۔

۲۔ سورہ اسراء کی آیت ۵۷ میں وسیلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آیت ۵۷ کے معنی کو سمجھنے کے  
لیے ہمیں پہلے آیت ۵۶ کا مطالعہ کرنا چاہیے جس میں یوں ارشاد ہے

”قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ  
كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا“

اے پیغمبر: کہہ دیجئے کہ خدا کے علاوہ تم جنہیں پکارتے ہو اور انہیں اپنا معبود تصور  
کرتے ہو انہیں پکار کر دیکھ لو کہ وہ تمہاری مشکل کو حل کریں، وہ تمہاری کوئی مشکل  
حل نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کی تبدیلی لاسکتے ہیں۔

”قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ“ والے جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں معبودوں سے مراد  
بت یا اس قسم کی کوئی اور چیز نہیں ہے، کیونکہ کلمۃ الذین صاحب شعور اور صاحب عقل افراد کے

لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا اس آیت میں وہ فرشتے مراد ہیں جنہیں لوگ پوجتے تھے یا  
حضرت عیسیٰ مراد ہیں کہ ایک مردہ معبود کے عنوان سے انکی پرستش کرتا تھا۔ یہ آیت بیان  
کر رہی ہے کہ نہ فرشتے اور نہ ہی حضرت عیسیٰ تمہاری مشکل کو حل کر سکتے ہیں۔

بعد والی آیت میں یوں ارشاد ہے ”اُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ  
الْوَسِيلَةَ“ خود یہ لوگ (فرشتے اور حضرت عیسیٰ) وہ ہیں جو خداوند کی بارگاہ میں وسیلہ کے  
ذریعہ تقرب حاصل کرتے ہیں وہ وسیلہ کہ ایہم اقرب جو سب سے زیادہ نزدیک ہو ”و  
يُوجُونَ رَحْمَةً“ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں ”و يَخَافُونَ عَذَابَهُ“ اور اس  
کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ ”اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا“ تیرے پروردگار  
کا عذاب ایسا ہے جس سے سب ڈرتے ہیں۔

وہابیوں کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ اولیائے الہی کے ساتھ  
توسل کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں (کاشف الضر) سمجھا جائے یعنی انہیں مستقل طور پر مشکلات کا  
حل کرنے والا سمجھا جائے اور قضاء حاجات اور دفع کربات کا سرچشمہ سمجھا جائے حالانکہ  
توسل کا یہ معنی نہیں ہے۔

جن آیات کو وہابیوں نے پیش کیا ہے وہ عبادت کے بارے میں بیان کرتی ہیں۔ حالانکہ  
کوئی بھی اولیائے الہی کی عبادت نہیں کرتا ہے۔

ہم جس وقت پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ توسل کرتے ہیں کیا انکی عبادت کرتے ہیں؟ کیا ہم  
پیغمبر اکرمؐ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ مستقل طور پر مؤثر اور کاشف مریختہ ہیں؟

جس توسل کی طرف قرآن مجید نے دعوت دی ہے وہ یہ ہے کہ اس وسیلہ کے ذریعے خدا

یہاں مناسب یہ کہ ہم "ابن علوی" کا کلام نقل کریں جو انہوں نے اپنی مشہور کتاب "مفہوم یحجب ان تصحیح" میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے توسل کی حقیقت کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اس لیے ہم (اپنی نظر کے مطابق) توسل کا صحیح مفہوم پیش کرتے ہیں۔ اور اسے بیان کرنے سے پہلے محترم قاری کی توجہ چند نکات کی طرف مبذول کراتے ہیں۔

۱۔ توسل دعا کا ایک انداز ہے اور حقیقت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کا ایک دروازہ ہے، پس ہدف اور اصلی مقصد اللہ تعالیٰ ہے، اور جس شخصیت کے ساتھ آپ توسل کر رہے ہیں وہ واسطہ اور تقرب بہ خدا کا وسیلہ ہے، اگر کوئی توسل میں اس کے علاوہ کوئی عقیدہ رکھتا ہو تو وہ مشرک ہے۔

۲۔ جو انسان کسی شخصیت کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے حقیقت میں یہ انسان کا اسی شخصیت کے ساتھ اظہارِ محبت ہے اور وہ اس شخصیت کے بارے میں اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب ہے اور بالفرض اگر مسئلہ الٹ ثابت ہو جائے تو وہی انسان اس شخصیت سے مکمل طور پر دوری اختیار کر لیتا ہے بلکہ اس کی مخالفت کرنے لگتا ہے۔ تو ہمیں یہاں تک معیار کا علم ہو گیا ہے کہ توسل کا معیار خداوند کے نزدیک اس شخصیت کا مقرب ہونا ہے۔

۳۔ اگر توسل کرنے والا انسان اس بات کا عقیدہ رکھتا ہو کہ (مستقل بہ) جس شخصیت کے ساتھ اس نے توسل کیا ہے، وہ ذاتی اور مستقل طور پر نفع و نقصان پہنچانے میں اللہ تعالیٰ کی طرح ہے، تو ایسا انسان مشرک ہے۔

کے نزدیک ہوں، یعنی یہ ذواتِ مقدسہ، بارگاہِ خدا میں شفاعت کرتی ہیں۔ وہ چیز جو ہم نے شفاعت کے بارے میں بیان کی ہے۔

در حقیقت توسل کی واقعیت اور شفاعت کی واقعیت ایک ہی ہے۔ بہت سی آیات شفاعت کو ثابت کرتی ہیں اور دو آیات توسل کو بیان کرتی ہیں دلچسپ بات یہ ہے کہ سورۃ مائدہ کی ۵۵ نمبر آیت "ایہم اقرب" کے ذریعے توسل کو بیان کرتی ہے یعنی فرشتے اور حضرت عیسیٰ بھی اپنے لیے وسیلہ منتخب کرتے ہیں وہ وسیلہ جو زیادہ نزدیک ہے "ہم" جمع کی ضمیر ہے جو صاحبِ عقول کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ یعنی اولیائے الہی اور صالحین کے ساتھ توسل کرتے ہیں، ان صالحین میں سے ہر ایک خدا کے نزدیک تر ہیں۔

بہر حال سب سے پہلے واضح ہونا چاہیے کہ اولیائے الہی کے ساتھ توسل کیا ہے؟

کیا یہ توسل ان کی عبادت اور پوجا کرنا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔

کیا انہیں مستقل طور پر موثر جاننا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ کیا انہیں مستقل طور پر قاضی الحاجات اور کاشفِ الکرہات جاننا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ذواتِ مقدسہ اس شخص کے لیے جس نے ان کے ساتھ توسل کیا ہے خداوندِ عالم کی بارگاہ میں شفاعت اور سفارش کرتی ہیں۔ اس کی مثال ایسے دی جاسکتی ہے کہ میں کسی بڑی شخصیت کے گھر جانا چاہتا ہوں وہ مجھے نہیں جانتا ہے، میں ایک ایسے شخص کو واسطہ بناتا ہوں کہ جو مجھے بھی جانتا ہے اور اس کے اس شخصیت کے ساتھ بھی تعلقات ہیں۔ اسے کہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں اور اس شخصیت کے ساتھ میرا تعارف کرادیں اور سفارش کر دیں۔ یہ کام نہ تو عبادت ہے اور نہ ہی

بارگاہ میں تیری بارگاہ میں تقرب کے لیے تیرے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو وسیلہ بنانا ہوں۔ اس کے بعد ابن علوی اضافہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ اس معنی میں اختلاف اور وہابیوں کا اولیائے الہی سے توسل کا انکار کرنا حقیقت میں صرف ظاہری اور لفظی اختلاف ہے، واقعی اور حقیقی اختلاف نہیں ہے۔

بالفاظ دیگر صرف لفظوں کا نزاع ہے۔ کیونکہ اولیائے الہی کے ساتھ توسل حقیقت میں انکے نیک اعمال کے ساتھ توسل ہے اور یہ ایک جائز امر ہے۔

پس اگر مخالفین بھی انصاف اور بصیرت کی نگاہ سے دیکھیں تو انکے لیے مطلب واضح اور اعتراض ختم ہو جائیگا، اس طرح فتنہ خاموش جائیگا۔ اور مسلمانوں پر شرک اور ضلالت کی تہمت لگانے کی نوبت نہیں آئے گی۔

اس کے بعد موصوف اس مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو انسان بھی اولیائے الہی کے ساتھ توسل کرتا ہے اس لیے ہے کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے۔

اور کیوں اس کے ساتھ محبت کرتا ہے؟ اس لیے کہ اس انسان کا عقیدہ ہے کہ وہ شخص اللہ کا نیک بندہ ہے، یا اس لیے کہ وہ شخص اللہ کے ساتھ محبت کرتا تھا۔ یا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ یا یہ کہ انسان اس وسیلہ کو پسند کرتا ہے اور اس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ جب ہم ان تمام امور میں غور و فکر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان سب کے باطن میں عمل پوشیدہ ہے یعنی حقیقت میں یہ خدا کی بارگاہ میں نیک اعمال کے ذریعے توسل ہے۔ اور یہ وہی چیز ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ (۱)

۳۔ توسل کوئی واجب یا ضروری چیز نہیں ہے اور نہ ہی یہ دعا قبول ہونے کا منحصر راستہ ہے، اہم چیز دعا ہے اور خداوند کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے جس صورت میں بھی ہو۔ جیسا کہ خود خداوند نے ارشاد فرمایا ہے کہ "واذا سالک عبادی عنی فانی قربت" (۱)

"ابن علوی مالکی" اس مقدمہ کو بیان کرنے کے بعد، توسل کے بارے میں اہلسنت کے علماء، فقہاء اور متکلمین کے نظریات بیان کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اعمال صالحہ کے ذریعے توسل الی اللہ کی مشروعیت (جواز) کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے یعنی انسان نیک اعمال کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرے، یہ اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔ مثلاً کوئی روزہ رکھتا ہے، نماز پڑھتا ہے، قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، صدقہ دیتا ہے اور ان اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ چیز مستحسن ہے۔

اس قسم کے توسل کو حتیٰ کہ سلفیوں نے بھی قبول کیا ہے۔ من جملہ "جناب ابن حمیہ نے اپنی مختلف کتب میں بالخصوص اپنی کتاب "القاعدة الجلیلة فی التوسل والوسيلة" میں اس قسم کے توسل کو قبول کیا ہے۔

ابن حمیہ نے اس قسم کے توسل یعنی نیک اعمال کے ذریعے توسل کے جواز کے بارے میں تصریح کی ہے۔ پس اختلاف کہاں ہے؟

کیا اختلاف، اعمال صالحہ کے علاوہ توسل کے بارے میں ہے؟ مثلاً اولیائے الہی کے ساتھ توسل کیا جائے اور یوں کہا جائے: اللہم انی اتوسل الیک بنبیک محمداً؟

البتہ ہم بعد میں بیان کریں گے کہ اولیائے الہی کے ساتھ توسل اگرچہ انکی شان اور مقام کی خاطر ہونا انکے نیک اعمال کی خاطر اس اعتبار سے کہ یہ ذوات مقدسہ خداوند کی بارگاہ میں آبرو مند، عزیز اور سر بلند ہیں یا کسی بھی خاطر یہ توسل ہو، تو جب تک انہیں تاخیر میں مستقل نہ سمجھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہیں شفیع سمجھیں تو ایسا توسل نہ کفر ہے اور نہ خلاف شرع۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس قسم کے توسل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے شرک تو تب ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں مستقل طور پر مؤثر سمجھیں۔ وہابیوں کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت "ما لعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى" (۱) میں "عبادت اور شفاعت" کو آپس میں مخلوط کر دیا ہے۔ اور یہ گمان کیا ہے کہ شفاعت بھی شرک ہے۔ حالانکہ ان واسطوں کی عبادت کرنا شرک ہے نہ انکی شفاعت اور انکے ساتھ توسل کرنا شرک ہے۔ (غور کیجیے)

## توسل، اسلامی احادیث کی روشنی میں:

آیات توسل، کے اطلاق کے علاوہ، جو ہر اس توسل کو جو اسلام کے صحیح اعتقادی اصولوں کے خلاف نہ ہو، جائز بلکہ مطلوب قرار دیتی ہیں، ہمارے پاس توسل کے بارے میں بہت سی روایات بھی ہیں جو متواتر تواتر کے نزدیک ہیں۔

ان میں سے بہت سی روایات خود پیغمبر اکرم کی ذات کے ساتھ توسل سے مربوط ہیں۔ کہ وہ توسل کبھی آپ کی ولادت سے پہلے کبھی ولادت کے بعد، آپ کی حیات میں یا آپ کی رحلت کے بعد، کیا گیا ہے۔

اب ان روایات کے چند نمونوں کو ملاحظہ فرمائیے۔  
۱۔ پیغمبر اکرم کی ولادت سے پہلے حضرت آدم کا آپ سے توسل کرنا "حاکم" نے "مسند رک" اور دیگر محدثین نے اپنی کتب میں اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: کہ جس وقت حضرت آدم سے خطا سرزد ہوئی تو آپ نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے عرض کیا: "یا رب اسئلک بحق محمد لما غفرت لى" پروردگار! میں تجھے حضرت محمد کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو نے محمد کو کہاں سے پہچانا حالانکہ ابھی میں نے اسے خلق نہیں کیا ہے!

حضرت آدم نے عرض کی: پروردگار! اس معرفت کا سبب یہ ہے کہ جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے خلق کیا اور مجھ میں روح پھونکی، میں نے سراٹھا کر دیکھا تو یہ جملہ عرش کے پائے پر لکھا ہوا تھا: "لا اله الا الله محمد رسول الله" اس عبارت سے میں سمجھ گیا کہ یہ جو محمد کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے وہ تمام مخلوقات میں سے تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا "انه لاحب الخلق الى" وہ

”و ابیض يستسقی الغمام بوجهه“

لعمال الیتامیٰ عصمة للارامل“ (۱)

کہ پیغمبر اکرمؐ کے نورانی چہرے کے مدتے یہ بادل برس رہے ہیں۔ یہ بچہ یتیموں

کا کھانا اور یتیمہ عورتوں کی پناہ گاہ بنے گا“

ایک نابینا مرد نے پیغمبر اکرمؐ کی ذات سے توسل کیا۔ وہ آپؐ کی نبوت کے زمانے میں آپؐ کی خدمت میں پہنچا، توسل کر کے شفا پالی اور اسکی آنکھیں واپس لوٹ آئیں

یہ روایت صحیح ترمذی، اسی طرح سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور دیگر کتب میں نقل ہوئی ہے (۱) اس سے پتہ چلتا ہے کہ سند کے اعتبار سے حدیث محکم ہے۔ بہر حال حدیث یوں ہے۔

”کہ ایک نابینا آدمی آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کرنے لگا:

اے رسولؐ خدا! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے شفا دے اور میری آنکھوں کی بینائی مجھے لوٹا دے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اگر تو کہتا ہے تو میں تیرے لیے دعا کرنے کو تیار ہوں اور اگر صبر کرتا ہے تو یہ صبر تیرے لیے بہتر ہے (اور شاید تیری مصلحت اسی حالت میں ہو) لیکن اس بوڑھے آدمی نے اپنی حاجت پر اصرار کیا۔ تو اس پر پیغمبر اکرمؐ نے اس بوڑھے آدمی کو حکم دیا کہ مکمل اور اچھے انداز میں وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو، نماز کے بعد یہ دعا پڑھو:

”اللهم انی امسک و اتوجه الیک بنیک محمداً

نبی الرحمة یا محمداً انی اتوجه بک الی“

(۱) فتح الباری، جلد ۴ ص ۴۹۳ اسی طرح سیرۃ طیبی، جلد ۱ ص ۱۱۶۔

میرے نزدیک تمام مخلوقات سے زیادہ محبوب ہے:

”الاعوانی بحقه فقد اغفرت لک“ (۱)

اس کے حق کا واسطہ دے کر مجھے سے مانگ میں تجھے معاف کر دوں گا“

دوسری حدیث حضرت ابوطالب کے توسل کے ساتھ مربوط ہے جو انہوں نے پیغمبر اکرمؐ کے بچپن کے زمانے میں آپؐ کے ساتھ کیا۔ حدیث کا خلاصہ یوں ہے کہ جسے ”ابن عساکر“ نے ”فتح الباری“ میں نقل کیا ہے:

کہ ایک مرتبہ مکہ میں خشک سالی ہو گئی، تمام قریش جمع ہو کر حضرت ابوطالب کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ سارے کھیت خشک ہو چکے ہیں، قحط نے ہر جگہ تباہی مچا رکھی ہے۔ آؤ خداوند کے حضور چلیں اور بارش کے لیے دعا کریں۔

حضرت ابوطالبؓ ساتھ چلے اور انکے ساتھ ایک بچہ بھی تھا (بچے سے مراد پیغمبر اکرمؐ ہیں جو ابھی طفولیت کا زمانہ گزار رہے تھے) اس بچے کا چہرہ آفتاب کی طرح درخشاں تھا۔ جناب ابوطالبؓ نے اس بچے کو گود میں لیا ہوا تھا۔ اسی حالت میں اپنی کمر کو خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لگایا اور اس بچے سے توسل کیا، اسی وقت آسمان پر بادل اُٹھ آئے اور ایسی بارش برسی کہ جس کے نتیجے میں خشک بیابان سرسبز ہو گئے۔ اس وقت جناب ابوطالبؓ نے پیغمبرؐ کی شان میں ایک شعر کہا جو یوں ہے۔

(۱) حاکم نے مستدرک، جلد ۴ ص ۶۱۵ پر اور حافض سیوطی نے ”الخصائص المصنوعہ“ میں اسے نقل کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے اور ترمذی نے اسے ”دلائل المصنوعہ“ میں نقل کیا ہے کہ عام طور پر اس کتاب میں دو ضعیف روایت نقل نہیں کرتے ہیں اور قسطلانی اور زرکانی نے مذہب قلندریہ میں اس حدیث کو نقل کیا اور صحیح قرار دیا ہے اور دیگر علماء نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ صحیح ترمذی کے لئے کتاب ”مناہجہ حب ان صحیح ص ۱۲۱ اور اسکے بعد جرح فرمائیں۔“

باب اس عنوان سے قرار دیا ہے کہ ”باب ماحکم اللہ تعالیٰ نبیہ بعد موتہ“ (یہ باب اس کرامت اور احترام کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے ساتھ مختص کیا ہے ان کی رحلت کے بعد) اس باب میں وہ یوں رقمطراز ہیں۔

”ایک مرتبہ مدینہ میں شدید قحط پڑ گیا۔ بعض لوگ حضرت عائشہ کی خدمت میں گئے اور ان سے چارہ جوئی کے لیے کہا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا جاؤ پیغمبر اکرم کی قبر پر چلے جاؤ۔ اور قبر والے کمرے کی چھت میں سوارخ کرو، اس انداز میں کہ آسمان اندر سے نظر آئے اور پھر نتیجہ کی انتظار کرو۔ لوگ گئے انہوں نے اسی انداز میں سوارخ کیا کہ آسمان وہاں سے نظر آتا تھا، بارش برسنے شروع ہو گئی اسقدر بارش برسی کہ کچھ ہی عرصہ میں بیابان سرسبز ہو گئے اور اونٹ فرہ ہو گئے۔ (۱)

### ”پیغمبر اکرم کے چچا حضرت عباسؓ سے توسل“

امام بخاری نے صحیح بخاری میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ میں قحط تھا تو حضرت عمر ابن خطابؓ نے اللہ تعالیٰ کو حضرت عباس بن عبدالمطلب کا واسطہ دیتے ہوئے باران رحمت طلب کی انکی دعا کی عبارت یہ تھی ”اللہم انا کنا نصومک الیک بنینا و تنقینا و انا لنوصل الیک بعم بنینا فاسقنا“ بارالہا ہم اپنے پیغمبر کے ساتھ توسل کرتے تھے تو تو ہم پر باران رحمت نازل فرماتا تھا۔ آج ہم تجھے اپنے نبی کے چچا کا واسطہ دے کر دعا کرتے ہیں کہ ہم پر باران رحمت نازل فرما“

راوی کہتا ہے، اس دعا کے بعد فورا ان بارش نازل ہوئی (۲)

(۱) سنن داری، جلد ۳ ص ۳۳۔

(۲) صحیح بخاری، جلد ۴ ص ۱۶، باب صلاة الاستسقاء۔

رئی فی حاجتی لتقضى، اللہم شفعا،  
فی“ (۱)

بارالہا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد مصطفیٰ کے واسطے کہ جو نبی رحمت ہیں۔ اے محمد میں آپ کے واسطے سے اپنے پروردگار کی طرف اپنی حاجت طلب کرنے چلا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو جائے اور اے اللہ انہیں میرا شفیع قرار دے۔

وہ تاہینا آدمی چلاتا کہ وضو کرے، نماز پڑھے اور پیغمبر اکرم کی تعلیم دی ہوئی دعا پڑھے۔ اس حدیث کا راوی عثمان بن عفیر کہتا ہے کہ ہم بہت سے افراد اسی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہی بوڑھا آدمی مجلس میں داخل ہوا اس حال میں کہ اس کی آنکھیں پینا ہو چکی تھیں اور تاہینائی کا کوئی اثر اس پر باقی نہیں تھا۔

دلچسپ یہ ہے کہ بہت سے اہلسنت کے اکابر نے صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح جانا ہے۔ ابن ماجہ نے بھی کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ رفاعی نے بھی کہا ہے کہ بلا شک و شبہ یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے۔ (۲)

### پیغمبر اکرم کی رحلت کے بعد ان سے توسل“

اہلسنت کے معروف عالم دین ”داری“ نے اپنی مشہور کتاب ”سنن داری“ میں ایک

(۱) صحیح ترمذی، جلد ۱ ص ۱۱۹، حدیث ۳۵۷۸، اور سنن ابن ماجہ، جلد ۱ ص ۳۳۱، حدیث ۱۳۸۵، و مسند احمد، جلد ۳ ص ۱۳۸۔

(۲) حری و صحت کے لیے آپ کتاب مجموعہ الرسائل، جلد ۱ ص ۱۸، طبع بیروت، کی طرف رجوع فرمائیں۔ ابن تیمیہ کی مین عبارت یہ ہے ”ان السالی و الترمذی و روا حدیثاً صحیحاً ان النبی علم رجلاً ان یسأل فیال اللہ ثم یخاطب النبی فیوسل بہ ثم یسأل اللہ قبول شفاعة“  
http://fb.com/rahanjabirabbas

## چند قابل توجہ نکات

### ۱۔ وہابیوں کے بہانے:

متعقب وہابی اپنے ہدف کو ثابت کرنے کیلئے، یعنی ان مسلمانوں پر فسق اور کفر کی تہمت لگانے کے لیے کہ جو اولیاء کے ساتھ توسل کرتے ہیں، مندرجہ بالا آیات اور روایات کے مقابلے میں کہ جو مختلف شکلوں میں توسل کو جائز قرار دیتی ہیں بہانے بناتے ہیں اور یہ بہانہ جوئی ایسے ہی ہے جیسے بچے بہانے بناتے ہیں!

کبھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان صالحین اور بزرگان کی ذات سے توسل کرنا حرام ہے، ان کے مقام کے ساتھ توسل کرنا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح انکی دعا اور شفاعت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے صرف انکی ذات کے ساتھ توسل کرنا حرام ہے۔

کبھی کہتے ہیں کہ انکی زندگی میں توسل کرنا تو جائز ہے لیکن وفات کے بعد توسل کرنا جائز نہیں ہے۔ چونکہ جب وہ اس دنیا سے منتقل ہو جاتے ہیں تو ان کا ہمارے ساتھ رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے "انک لا تسمع العوٹی" اے پیغمبر آپ مردوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکتے ہیں" (۱) یعنی آپ کا رابطہ انکے ساتھ منقطع ہو چکا ہے۔

لیکن اس قسم کی بہانہ تراشیاں واقعاً شرمناک ہیں کیونکہ:

اولاً: قرآن مجید نے ایک عام حکم بیان کیا ہے ہم اس آیت کے عموم یا اطلاق کے ساتھ

حمسک کرتے ہوئے توسل کی ان تمام اقسام کو جائز سمجھتے ہیں جو "توحید عبادی" اور توحید

افعالی کے ساتھ منافی نہ ہوں۔

۶۔ ابن حجر مکی نے صواعق محرقة میں امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی ہمیشہ اہلبیت رسول کے ساتھ توسل کرتے تھے انہوں نے یہ مشہور شعر، ان سے نقل کیا ہے:

آل النبی ذریعتی و ہم الیہ وسیلتی  
أرجوا بہم أعطی غداً بید الیمین صحیفتی

رسول خدا کا خاندان میرا وسیلہ ہیں، خداوند کی بارگاہ میں وہی میرے قریب کا ذریعہ ہیں۔  
میں امید کرتا ہوں کہ کل قیامت کے دن انکی برکت سے میرا نام اعمال میرے دائیں ہاتھ میں تمھارا جائے!

اس حدیث کو "رفاعی" نے اپنی کتاب "کتاب التوصل الی حقیقة التوسل" میں بیان کیا ہے (۱)

اسی مصنف نے کہ جو توسل کے بارے میں بہت سخت عقیدہ رکھتا ہے۔ اہلسنت کے مختلف منابع سے ۲۶ احادیث توسل کے بارے میں نقل کی ہیں اگرچہ اس کی کوشش یہی رہی ہے کہ بعض احادیث کے بارے میں خدشہ ظاہر کرے لیکن احادیث تو اتر کی حد تک یا تو اتر کے قریب ہیں اور اہلسنت کی مشہور کتب میں نقل کی گئی ہیں۔ لہذا ان احادیث پر اتنی جلدی اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور ہم نے تو یہاں پر اس باب سے صرف چند احادیث کا تذکرہ کیا ہے ورنہ اس بارے میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے "وابتغوا الیہ الوسیلہ" جیسا کہ بیان کیا ہے وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خدا کے قُرب کا ذریعہ بنے۔ پس جو شے بھی آپ کو خدا کے قُرب کرنے کا وسیلہ بن سکتی ہے آپ اسے انتخاب کر سکتے ہیں۔ چاہے وہ پیغمبرؐ کی دعا ہو یا شفاعت، مقام پیغمبرؐ ہو یا ذات پیغمبرؐ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی، اطاعت، عبودیت اور دیگر صفات حسنہ کی وجہ سے اس کی بارگاہ میں محبوب و مقرب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان امور کے ذریعے بارگاہ خدا میں تَرَبُّب حاصل کرو۔ پس وسیلہ کو صرف انسان کے اپنے نیک اعمال میں منحصر کرنے پر کوئی دلیل نہیں ہے جس کا وہابی دعویٰ کرتے ہیں۔

وسیلہ کی جو اقسام ہم نے بیان کی ہیں نہ تو یہ توحید و رعبادت میں رخصہ پیدا کرتی ہیں کیونکہ ہم صرف خدا کی عبادت کرتے ہیں نہ پیغمبر اکرمؐ کی اور نہ ہی توحید افعالی میں غدر شاہ ایجاد کرتی ہیں، کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ نفع و نقصان کا مالک ہے، اس کے علاوہ جس کسی کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کر دہ ہے اور اسی کے واسطے سے ہے۔

آیات میں اس قسم کے عموم کے بعد اب کس چیز کا انتظار ہے؟

یہ بہانہ تراشی تو ایسے ہے جیسے قرآن مجید فرماتا ہے "فاقرءوا ما تیشرون القرآن" جتنا قرآن مجید کی تلاوت کر سکتے ہو کرو" (۱) اب اگر کوئی بہانہ بنائے اور حکم کرے کہ کھڑے ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ لیٹ کر تلاوت کرنا کیسے ہے؟ آیت کا عموم کہہ رہا ہے تلاوت قرآن کی تمام اقسام جائز ہیں۔ تلاوت سفر میں ہو یا حضر میں۔ وضو کے ساتھ ہو یا بغیر وضو کے اس وقت تک جائز ہے جب تک کوئی دلیل اس عموم کے خلاف قائم

نہیں ہو۔

ثانیاً: توسل کے مسئلہ میں بیان ہونے والی روایات کہ جن میں سے بعض کو ہم نے اوپر پیش کیا ہے اس قدر متنوع ہیں کہ توسل کی تمام اقسام کی اجازت دیتی ہیں۔ خود پیغمبر اکرمؐ کی ذات کے ساتھ توسل جیسے ناپائیدار والے واقعہ میں بیان ہوا۔ پیغمبر اکرمؐ کی قبر مبارک کے ساتھ توسل جیسا کہ بعض واقعات میں بیان ہوا۔ اسی طرح پیغمبرؐ کی دعا سے توسل، انکی شفاعت سے توسل جیسا کہ دیگر واقعات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان متنوع اور مختلف روایات کی روشنی میں بہانہ تراشیوں کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

ثالثاً: پیغمبر اکرمؐ کی ذات سے توسل سے کیا مراد ہے؟ ہماری نظر میں کیوں پیغمبر اکرمؐ کی ذات کا احترام ہے اور ہم انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفعہ بناتے ہیں؟ یہ اس لیے کہ پیغمبر اکرمؐ اطاعت اور عبودیت کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز تھے۔ پس حقیقت میں پیغمبرؐ کی ذات کے ساتھ توسل انکی اطاعات، عبادات اور افعال حسنہ کے ساتھ توسل ہے اور یہ وہی چیز ہے جسے متعصب وہابی بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی قائل ہیں کہ طاعات کے ساتھ توسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس صرف الفاظ کا جھگڑا ہے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بعض وہابی پیغمبر اکرمؐ کی برزخی زندگی کا انکار کرتے ہیں اور انکی وفات کو (معاذ اللہ) کفار کی وفات جیسا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید شہداء کے لیے حیات

جاوید کا تذکرہ کرتا ہے ”ہل احياء عند ربهم يرزقون“ (۱)

کیا پیغمبر اکرمؐ کا مقام شہداء کے مقام سے کم ہے، جبکہ آپؐ سب لوگ اپنی نمازوں میں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ اگر رسولؐ اوقات کے بعد توسل کرنے والوں کے توسل کو نہیں سنتے تو پھر آپؐ کا سلام بھیجنا بے فائدہ ہے (خدا سے پناہ مانگتے ہیں اس اندھے تعصب سے کہ جو انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتا ہے)۔

البتہ ان میں سے بعض علماء آنحضرتؐ کی حیات برزخی کے قائل ہیں انہیں اپنے اس نظریہ کے مطابق اپنا اعتراض واپس لے لینا چاہیے۔

## ۲۔ ”افراطی اور غالی افراد“

ہم افراط اور تفریط کرنے والے دونوں گروہوں کے درمیان میں ہیں ایک طرف وہ لوگ ہیں جو توسل کے مسئلہ میں مقصر ہیں اور اعتراض تراشی کرتے ہیں اور جس توسل کی قرآن و حدیث نے اجازت دی ہے وہ اسے جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ اور گمان کرتے ہیں کہ ان کا یہ نظریہ انکی توحید کے کمال کا باعث ہے حالانکہ وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اولیائے الہی کے ساتھ! انکی اطاعت، عبادت، اعمال اور بارگاہ الہی میں انکے تقرب کی وجہ سے توسل کرنا، مسئلہ توحید پر تاکید ہے اور ہر شے کا خدا سے طلب کرنا ہے۔

دوسری طرف ایک افراطی گروہ ہے جو توسل کی آڑ میں غلو کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ان غالیوں کا خطرہ اور نقصان اس پہلے گروہ سے کم نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ بعض اوقات ایسے جملے استعمال کرتے ہیں جو توحید افعالی کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔ یا بعض اوقات ایسی باتیں

کرتے ہیں جو عبادت میں توحید کے ساتھ منافی ہیں۔ چونکہ ”لامؤثر فی الوجود الا اللہ“ اس عالم وجود میں مؤثر واقعی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور جو کچھ بھی موجود ہے اس کی بدولت ہے۔

لہذا جس طرح ہمیں صحیح توسل کے منکر افراد کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے یا انہیں ارشاد کرنا چاہیے اور غلطیوں سے روکنا چاہیے، اسی طرح افراطی گروہ اور غالیوں کو بھی ارشاد کرنا چاہیے اور انہیں راہ راست کی طرف لوٹانا چاہیے۔

درواقع یہ کہا جاسکتا ہے کہ توسل کے منکرین کی پیدائش کا ایک سبب توسل کے قائل افراد میں سے بعض کا افراط اور غلو ہے جب انہوں نے افراط سے کام لیتا شروع کیا تو فطرتی سی بات تھی کہ تفریطی ٹولہ انکے مقابلے میں ایجاد ہو جائیگا۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو تمام اعتقادی، اجتماعی اور سیاسی مسائل میں پایا جاتا ہے اور انحرافی گروہ ہمیشہ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہوتے ہیں اور دونوں گروہ غلط راستے پر ہٹ دھرمی کے ساتھ گامزن رہتے ہیں۔

## ۳۔ تنہا توسل کافی نہیں ہے۔

لوگوں کو اس بات کی تلقین کرنی چاہیے کہ صرف اولیائے الہی اور صالحین کے ساتھ توسل پر اکتفا نہ کریں۔ کیونکہ توسل تو ہمارے لیے ایک درس ہے۔ وہ اس طرح کہ ذہن میں سوال اٹھتا ہے، کہ ہم ان اولیاء کے ساتھ کیوں توسل کرتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ اس لیے توسل کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آبرومند ہیں، کیوں آبرومند ہیں؟ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے آبرومند ہیں پس ہمیں بھی نیک اعمال کی طرف جانا چاہیے۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ توسل ہمیں درس دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب نیک اعمال کے ذریعے

حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اور اولیائے الہی کے ساتھ توسل بھی انکے نیک اعمال کی وجہ سے ہی کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے اعمال صالح کی وجہ سے خدا کا قرب حاصل کر چکے ہیں اور ہم توسل میں ان سے تقاضا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری بھی شفاعت کریں، لہذا ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ جس راستے کو انہوں نے طے کیا ہے ہم بھی اس راستے پر عمل پیرا ہوں۔ توسل کو ایک انسان ساز اور تربیت کرنے والے مکتب میں تبدیل ہونا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم توسل پر ہی رک جائیں اور اس کے بلند مقاصد کو فراموش کر دیں۔ یہ ایک اہم بات تھی جس کی طرف ہم سب کو متوجہ رہنا چاہیے۔

### ۴:۱ امور تکوینی میں توسل:

ایک اور نکتہ جس کی طرف توجہ ضروری ہے، یہ ہے کہ عالم اسباب کے ساتھ توسل جس طرح امور تشریفی میں موجود ہے اسی طرح امور تکوینی میں بھی موجود ہے اور ان میں سے کوئی سا توسل بھی توحید کی راہ میں مانع نہیں ہے۔ ہم جس وقت اپنے مطلوبہ نتائج تک پہنچنا چاہتے ہیں تو اپنی عادی زندگی میں اسباب کے پیچھے جاتے ہیں، زمین میں مل جلاتے ہیں، بیج بوتے ہیں، آبیاری کرتے ہیں۔ فصل کی حفاظت کرتے ہیں، اور پھر موقع پر فصل کاٹتے ہیں اور اس سے اپنی زندگی میں استفادہ کرتے ہیں کیا یہ اسباب کے ساتھ توسل کرنا ہمیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیتا ہے؟ کیا اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ زمین سبزہ اگاتی ہے۔ اور سورج کواور اور بارش کے حیات بخش قطرے بیج، گل، و گیاہ اور پھلوں کی پرورش میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ بالکل طور پر عالم اسباب کے وسیلہ ہونے کے بارے میں عقیدہ رکھنا کیا توحید افعالی کے منافی

ہے؟ یقیناً منافی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم عالم اسباب میں صرف اسباب مہیا کرتے ہیں اور مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ کی ذات کو جانتے ہیں۔

پس جس طرح طبیعی اسباب کے ساتھ توسل کرنا توحید کے ساتھ منافی نہیں ہے اسی طرح عالم تشریع میں انبیاء، اولیاء اور معصومین کے ساتھ توسل کرنا اور ان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کا تقاضا کرنا بھی توحید کے ساتھ منافی نہیں ہے۔

البتہ اس عالم تکوین کے بارے میں بھی ایک افرامی گروہ موجود ہے جو اصلاً عالم اسباب کا انکار کرتے ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ عالم اسباب پر عقیدہ رکھنا توحید افعالی کے ساتھ منافی ہے۔ اسی لیے وہ قائل ہیں کہ آگ نہیں جلاتی ہے بلکہ جس وقت آگ کسی شے کے نزدیک ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس شے کو جلاتا ہے، اسی طرح پانی آگ کو نہیں بجھاتا ہے بلکہ جس وقت آگ پر پانی ڈالا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس آگ کو بجھا دیتا ہے۔ یہ لوگ اس انداز میں علت اور معلول کے درمیان پائے جانے والے تمام واضح اور بدیہی روابط کا انکار کرتے ہیں۔

حالانکہ قرآن مجید واضح انداز میں عالم اسباب کو قبول کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہم بادلوں کو بھیجتے ہیں اور یہ بادل نقشہ زمینوں کو سیراب کرتے ہیں اور انکے ذریعے مردہ زمینیں زندہ ہو جاتی ہیں "فیشی بہ الارض بعد موتها" (۱)

"یشی بہ" یعنی یہ بارش کے قطرے زمین کو حیات بخشتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی آیات عالم اسباب کے وسیلہ ہونے کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں لیکن بہر حال یہ اسباب ذاتی طور پر کوئی قدرت نہیں رکھتے ہیں بلکہ جو کچھ بھی ان کے پاس ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے۔ یہ آثار اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ جس طرح اسباب طبیعی کے منکر،

غافل خطا کار ہیں اسی طرح عالم تشریع میں بھی اسباب کا انکار کرنے والے غلطی پر ہیں۔  
 ہم امید کرتے ہیں کہ گذشتہ سطور کی روشنی میں یہ لوگ تعصب سے ہاتھ کھینچ لیں اور صحیح  
 راستہ کا انتخاب کر لیں اور اس طرح بے جا تکفیر اور تفسیق کا خاتمہ ہو جائے اور پوری دنیا کے  
 مسلمان آپس میں اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان دشمنوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی  
 دیوار کی طرح ڈٹ جائیں جنہوں نے قرآن، اسلام اور خدا کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا ہوا  
 ہے۔ اور اس طرح اسلامی تعلیمات کو ہر قسم کے شرک، غلو و زیادتی اور کوتاہی و نقصان سے پاک  
 کر کے پوری دنیا کے سامنے پیش کریں۔

والسلام

شعبان ۱۴۲۶ھ ق

ناصر مکارم شیرازی

# یا صاحب الزمانؑ ادرکنی خدمتگارانِ مکتبِ اہلبیت (ع)

سید حسن علی نقوی

حسان ضیاء خان

سعد شمیم

حافظ محمد علی جعفری

﴿ التماس سورۃ الفاتحہ ﴾

سیدہ فاطمہ رضوی بنت سید حسن رضوی

سید ابوزر شہرت بلگرامی ابن سید رضوی

سید مظاہر حسین نقوی ابن سید محمد نقوی

سید محمد نقوی ابن سید ظہیر الحسن نقوی

سید الطاف حسین ابن سید محمد علی نقوی

سیدہ ام حبیبہ بیگم

حاجی شیخ علیم الدین

شمشاد علی شیخ

مسیح الدین خان

فاطمہ خاتون

شمس الدین خان

Hassan

naqviz@live.com